تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۹

چند اہم مضامین کی فہرست

- شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی ۳۰۲
- عوام کی فطرت ۳۰۳
- گناہوں میں ڈوبے لوگ؟ ۳۰۵
- عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا ۳۰۶
- نابکار لوگوں کا تذکرہ---انبیاء اور مومنین پر نظر کرم ۳۰۸
- موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ۳۰۸
- عصائے موسیٰ اور فرعون ۳۰۸
- درباریوں کا مشورہ ۳۰۹
- جادوگروں سے مقابلہ ۳۱۰
- جادوگر سجدہ ریز ہو گئے ۳۱۱
- فرعون سیخ پا ہو گیا ۳۱۱
- آخری حربہ بغاوت کا الزام ۳۱۳
- انجام سرکشی ۳۱۷
- احسانات پہ احسانات ۳۱۹
- انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ ۳۲۲
- بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا ۳۲۴
- موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی ۳۲۵
- النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ ۳۳۵
- انبیاء کا قاتل گروہ ۳۳۷
- اصحاب سبت ۳۴۰
- اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی ۳۴۲
- رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے ۳۴۳
- بلعم بن باعورا ۳۴۸
- اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے ۳۵۲
- امت محمد ﷺ کے اوصاف ۳۵۴
- سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے ۳۵۵
- صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی ۳۵۵
- قیامت کب اور کس وقت؟ ۳۵۶
- نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا ۳۵۹
- ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم ۳۶۰
- انسان کا المیہ خودساز خدا اور اللہ سے دوری ہے ۳۶۲
- جو اللہ سے ڈرتا ہے شیطان اس سے ڈرتا ہے ۳۶۶
- سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے ۳۶۸
- سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ۳۶۸
- اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے ۳۷۰
- ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان ۳۷۵
- شمع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں ۳۷۷
- سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ ۳۸۰
- تائید الٰہی کے بعد فتح و کامرانی ۳۸۴
- شہیدان وفا کے قصے ۳۸۶
- اللہ کی مدد ہی وجہ کامرانی ہے ۳۸۸
- ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عزاسمہ ۳۹۰
- اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق ۳۹۱
- دل رب کی انگلیوں میں ہیں ۳۹۱
- برائیوں سے نہ روکنا عذاب الٰہی کا سبب ہے ۳۹۳
- اہل ایمان پر اللہ کے احسانات ۳۹۴
- اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو ۳۹۵
- دنیا و آخرت کی سعادت مندی ۳۹۶
- رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش ۳۹۷
- عذاب الٰہی نہ آنے کا سبب: اللہ کے رسول اور استغفار ۳۹۹
- شکست خوردہ کفار کی سازشیں ۴۰۳
- فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ۴۰۴

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم سب پھر سے ہمارے مذہب میں آ جاؤ' اس نے جواب دیا کہ کیا ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ○ پھر تو ہم نے یقیناً اللہ تعالیٰ پر بڑی جھوٹی تہمت باندھی' اگر اب ہم تمہارے مذہب میں پھر سے آ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات بخشی' ہمارا تو اس میں لوٹنا ناممکن ہی ہے' ہاں یہ اور بات ہے کہ خود اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے' یہی مرضی ہو جائے' ہمارے رب کے علم نے تمام چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے' اللہ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے' اے ہمارے پروردگار تو ہم میں اور ہماری قوم میں حق حق فیصلہ کر دے اور سب فیصلہ کرنے والوں سے تو بہتر ہے ○

شعیب علیہ السلام کی قوم نے اپنی بربادی کو آواز دی: ☆☆ (آیت: ۸۸-۸۹) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی تمام نصیحتیں سن کر جو جواب دیا' اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ہوا یہ کہ دلیلوں سے ہار کر یہ لوگ اپنی قوت جتانے پر اتر آئے اور کہنے لگے اب تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہم دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیتے ہیں' یا تو جلاوطنی قبول کرو' یا ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ ہم تو دل سے تمہارے ان مشرکانہ کاموں سے بیزار ہیں' انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں' پھر تمہارے اس دباؤ اور اس خواہش کے کیا معنی؟ اگر اللہ نہ کرے ہم پھر سے تمہارے کفر میں شامل ہو جائیں تو ہم سے بڑھ کر گنہگار کون ہوگا؟ اس کے تو صاف معنی یہ ہیں کہ ہم نے دو گھڑی پہلے محض ایک ڈھونگ رچایا تھا' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھ کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

خیال فرمایئے کہ اس جواب میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے ایمان داروں کو مرتد ہونے سے کس طرح دھمکایا ہے؟ لیکن چونکہ انسان کمزور ہے' نہ معلوم کس کا دل کیسا ہے اور آگے چل کر کیا ظاہر ہونے والا ہے؟ اس لئے فرمایا کہ اللہ کے ہاتھ سب کچھ ہے' اگر وہی کسی کے خیالات الٹ دے تو میرا زور نہیں' ہر چیز کے آغاز انجام کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے' ہمارا توکل اور بھروسہ اپنے تمام کاموں میں صرف اس کی ذات پاک پر ہے۔ اے اللہ تو ہم میں اور ہماری قوم میں فیصلہ فرما' ہماری مدد فرما' تو سب حاکموں کا حاکم ہے' سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا' عادل ہے' ظالم نہیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا
اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا
اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ
فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱

اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم نے شعیب کی تابعداری کی تو سمجھ لو کہ تم برباد ہونے والے بن گئے ○ آخرش ان کافروں کو زلزلے نے پکڑ لیا اور وہ سب اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے ہوئے مردہ رہ گئے ○ گویا شعیب کو جھٹلانے والے کبھی وہاں بستے ہی نہ تھے' درحقیقت شعیب کے جھٹلانے والے ہی برباد ہونے والے ثابت ہوئے ○ اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم والو میں تو تمہیں اپنے رب کے پیغامات برابر پہنچا چکا اور تمہاری پوری طرح خیر خواہی کی اب نہ ماننے والوں کا میں کہاں تک صدمہ کرتا رہوں؟ ○

قوم شعیب کا شوق تباہی پورا ہوا: ☆☆ (آیت: ۹۰-۹۲) اس قوم کی سرکشی بدباطنی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے انہیں یقین دلا رہے ہیں' کہ شعیب علیہ السلام کی اطاعت تمہیں غارت کر دے گی اور تم بہت بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ ان مومنوں کے دلوں کو ڈرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ آسمانی عذاب بصورت زلزلہ زمین سے آیا اور انہیں سچ مچ لرزا دیا اور غارت و برباد ہو کر خود ہی نقصان میں پھنس گئے' یہاں اس طرح بیان ہوا۔

سورۂ ہود میں بیان ہے کہ آسمانی کڑاکے کی آواز سے یہ ہلاک کئے گئے' وہاں یہ بھی بیان ہے کہ انہوں نے اپنے وطن سے نکل جانے کی دھمکی ایمان داروں کو دی تھی' تو آسمانی ڈانٹ کی آواز نے ان کی آواز پست کر دی اور ہمیشہ کے لئے یہ خاموش کر دیئے گئے۔

سورۂ شعراء میں بیان ہے کہ بادل ان پر سے عذاب بن کر برسا' کیونکہ وہیں ذکر ہے کہ خود انہوں نے اپنے نبیؐ سے کہا تھا کہ اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ واقعہ یہ ہے کہ تینوں عذاب ان پر ایک ساتھ آئے' ادھر ابر اٹھا جس سے شعلہ باری ہونے لگی' آگ برسنے لگی' ادھر تند اور سخت کڑاکے کی آواز آئی' ادھر زمین پر زلزلہ آیا۔ نیچے اوپر کے عذابوں سے دیکھتے ہی دیکھتے تہ و بالا کر دیئے گئے' اپنی اپنی جگہ ڈھیر ہو گئے' یا وہ وقت تھا کہ یہاں سے مومنوں کو نکالنا چاہتے تھے' یا یہ وقت ہے کہ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی وقت یہاں یہ لوگ آباد بھی تھے' یا مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ تم نقصان میں اترو گے' یا یہ ہے کہ خود برباد ہو گئے۔

(آیت: ۹۳) قوم پر اللہ کا عذاب آ چکنے کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام وہاں سے چلے اور بطور ڈانٹ ڈپٹ کے فرمایا کہ میں سبکدوش ہو چکا ہوں' اللہ کا پیغام سنا چکا' سمجھا بجھا چکا' غم خواری ہمدردی کر چکا' لیکن تم کافر کے کافر ہی رہے' اب مجھے کیا پڑی کہ تمہارے افسوس میں اپنی جان ہلکان کروں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا
بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ
السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا
الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ
اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہم نے جس بستی میں جس نبی کو بھیجا' وہاں والوں کو تنگی اور سختی رنج و تکلیف میں مبتلا کر کے موقعہ دیا کہ وہ عاجزی اور زاری کر لیں ○ پھر ہم نے اس تکلیف کے بدلے راحت و آسانی اس قدر دی کہ وہ بھول گئے اور کہنے لگے' ہمارے باپ دادوں کو بھی تو سختی نرمی پہنچتی تھی' آخرش ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی ○ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کشادہ کر دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا' تو ہم نے بھی ان کے کرتے کرتوت (اعمال) کے بدلے انہیں گرفتار کر لیا ○ کیا شہروں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہو چکے ہیں؟ ○

ادوار ماضی: ☆☆ (آیت: ۹۴-۹۵) سابقہ امتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور ان کے انکار پر وہ امتیں مختلف بلاؤں میں مبتلا کی گئیں' مثلاً بیماریاں' فقیری' تنگی' تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اکڑنا چھوڑ دیں اور اس کے سامنے جھک جائیں' مصیبتوں کے ٹالنے کی دعائیں کریں اور اس کے رسول کی مان لیں' لیکن انہوں نے اس موقعہ کو ہاتھ سے نکال دیا' باوجود بری حالت ہونے کے دل کا کفر نہ ٹوٹا' اپنی ضد سے نہ ہٹے تو ہم نے دوسری طرح پھر ایک موقعہ دیا- سختی کو نرمی سے' برائی کو بھلائی سے' بیماری کو تندرستی سے' فقیری کو امیری سے بدل دیا تا کہ شکر کریں اور ہماری حکمرانی کے قائل ہو جائیں' لیکن انہوں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا' جیسے جیسے بڑھے' ویسے ویسے کفر میں پھنسے' بدمستی میں اور بڑھے اور مغرور ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ زمانہ کے اتفاقات ہیں' پہلے سے یہی ہوتا چلا آیا ہے' کبھی کے دن بڑے' کبھی کی راتیں بڑی' زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا' الغرض اتفاق پر محمول کر کے معمولی سی بات سمجھ کر دونوں موقع ٹال دیئے اور ایمان والے دونوں حالتوں میں عبرت پکڑتے ہیں مصیبت پر صبر' راحت پر شکر ان کا شیوہ ہوتا ہے- بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' مومن پر تعجب ہے' اس کی دونوں حالتیں انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہیں' یہ دکھ پر صبر کرتا ہے' انجام بہتر ہوتا ہے' سکھ پر شکر کرتا ہے' نیکیاں پاتا ہے پس مومن رنج و راحت دونوں میں اپنی آزمائش کو سمجھ لیتا ہے- ایک اور حدیث میں ہے' بلاؤں کی وجہ سے مومن کے گناہ بالکل دور ہو جاتے ہیں اور وہ پاک صاف ہو جاتا ہے- ہاں منافق کی مثال گدھے جیسی ہے جسے نہیں معلوم کہ کیوں باندھا گیا اور کیوں کھولا گیا؟ (او کما قال) پس ان لوگوں کو اس کے بعد اللہ کے عذاب نے اچانک آ پکڑا' یہ محض بے خبر تھے' اپنی خرمستیوں میں لگے ہوئے تھے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اچانک موت مومن کے لئے رحمت ہے اور کافروں کے لئے حسرت ہے-

عوام کی فطرت: ☆☆ (آیت: ۹۶) لوگوں سے عام طور پر جو غلطی ہو رہی ہے اس کا ذکر ہے کہ عموماً ایمان سے اور نیک کاموں سے بھاگتے رہتے ہیں- صرف حضرت یونس علیہ السلام کی پوری بستی ایمان لائی تھی اور وہ بھی اس وقت جبکہ عذابوں کو دیکھ لیا اور یہ بھی صرف ان کے ساتھ ہی ہوا کہ آئے ہوئے عذاب واپس کر دیئے گئے اور دنیا و آخرت کی رسوائی سے بچ گئے' یہ لوگ ایک لاکھ بلکہ زائد تھے' اپنی

پوری عمر تک پہنچے اور دینوی فائدے بھی حاصل کرتے رہے۔
تو فرماتا ہے کہ اگر نبیوں کے آنے پر ان کے امتی صدق دل سے ان کی تابعداری کرتے' برائیوں سے رک جاتے اور نیکیاں کرنے لگتے تو ہم ان پر کشادہ طور پر بارشیں برساتے اور زمین سے پیداوار اگاتے' لیکن انہوں نے رسولوں کی نہ مانی بلکہ انہیں جھوٹا اور روبرو جھوٹا کہا' برائیوں سے' حرام کاریوں سے ایک انچ نہ ہٹے' اس وجہ سے تباہ کر دیئے گئے۔ کیا کافروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ راتوں رات ان کی بے خبری میں ان کے سوتے ہوئے عذاب الٰہی آ جائے اور یہ سوئے کے سوئے رہ جائیں؟ کیا انہیں ڈر نہیں لگتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دن دہاڑے ان کے کھیل کود اور غفلت کی حالت میں اللہ جل جلالہ کا عذاب آ جائے؟ اللہ کے عذابوں سے' اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے' اس کی بے پایاں قدرت کے اندازے سے غافل وہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ بربادی کی طرف بڑھے چلے جاتے ہوں۔ امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن نیکیاں کرتا ہے اور پھر ڈرتا رہتا ہے اور فاسق فاجر شخص برائیاں کرتا ہے اور بے خوف رہتا ہے' نتیجے میں مومن امن پاتا ہے اور فاجر پیس دیا جاتا ہے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾
اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾
اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲
اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ
لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کہ ان کے پاس راتوں رات ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور وہ سوئے پڑے ہوئے ہوں؟ ○ یا ان شہریوں پر دن چڑھے ہمارے عذابوں کے آ جانے سے یہ نڈر ہیں کہ اس وقت یہ اپنے کھیل کود میں مشغول ہوں؟ ○ کیا یہ اللہ کے داؤں سے مطمئن ہو چکے ہیں؟ یاد رکھو اللہ کے داؤں گھات سے بے خوف وہی ہوتے ہیں جو سخت نقصان اٹھانے والے ہوں ○ اس زمین پر رہنے سہنے والوں کے بعد جو اس کے وارث بنتے ہیں' کیا انہیں بھی یہ ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں بھی ان کی بدکرداریوں پر عذاب کریں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ یہ سنیں ہی نہیں ○

گناہوں میں ڈوبے لوگ؟: ☆☆ (آیت: ۹۷-۱۰۰) ارشاد ہے کہ ایک گروہ نے ہمارا مقابلہ کیا اور ہم نے انہیں تاخت و تاراج کیا۔ دوسرا گروہ ان کے قائم مقام ہوا تو کیا اس پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ اگر وہ بداعمالیاں کریں گے تو اپنے سے اگلوں کی طرح کھو دیئے جائیں گے؟ جیسے فرمان ہے اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ الخ یعنی کیا انہیں اب تک سمجھ نہیں آئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی آباد بستیاں اجاڑ کر رکھ دیں جن کے مکانوں میں اب یہ رہتے سہتے ہیں' اگر یہ عقل مند ہوتے تو ان کے لئے بہت سی عبرتیں تھیں۔ اور اس بیان کے بعد کی آیت میں ہے کہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں' کیا یہ سن نہیں رہے؟ ایک آیت میں فرمایا' تم اس سے پہلے پورے یقین سے کہتے تھے کہ تمہیں زوال آنے کا ہی نہیں حالانکہ تم جن کے گھروں میں تھے' وہ خود بھی اپنے مظالم کے سبب تباہ کر دیئے گئے تھے' خالی گھر رہ گئے۔ ایک اور آیت میں ہے وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ الخ ان سے پہلے ہم نے بہت سی

بستیاں تباہ کر دیں' نہ ان میں سے اب کوئی نظر آئے' نہ کسی کی آواز سنائی دے۔ اور آیت میں ہے کہ وہ لوگ تو ان سے زیادہ مست تھے' مال دار تھے' عیش و عشرت میں تھے' راحت و آرام میں تھے' اوپر سے ابر برستا تھا' نیچے سے چشمے بہتے تھے' لیکن گناہوں میں ڈوبے رہے کہ آخر تہس نہس ہو گئے اور دوسرے لوگ ان کے قائم مقام آئے۔

عادیوں کی ہلاکت کا بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ ایسے عذاب اچانک آ گئے کہ ان کے وجود کی دھجیاں اڑ گئیں' کھنڈر کھڑے رہ گئے اور کسی چیز کا نام و نشان نہ بچا' مجرموں کا یہی حال ہوتا ہے۔ حالانکہ دنیوی وجاہت بھی ان کے پاس تھی۔ آنکھ' کان' دل سب تھا لیکن اللہ جل شانہ کی باتوں کا تمسخر کرنے پر اور ان کے انکار پر جب عذاب آیا تو حیران و ششدر رہ گئے' نہ عقل آئی' نہ اسباب بچے۔ اپنے آس پاس کی ویران بستیاں دیکھ کر عبرت حاصل کرو' اگلوں نے جھٹلایا تو دیکھ لو کس طرح برباد ہوئے؟ تم تو ابھی تک ان کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے' تم سے پہلے کے منکروں پر میرے عذاب آئے' انہیں غور سے سنو' ظالموں کی بستیاں میں نے الٹ دیں اور ان کے محلات کھنڈر بنا دیئے۔ زمین میں چل پھر کر' آنکھیں کھول کر' کان لگا کر ذرا عبرت حاصل کرو' جس کی آنکھیں نہ ہوں' وہی اندھا نہیں بلکہ سچ مچ اندھا وہ ہے جس کی دلی آنکھیں بے کار ہوں۔ اگلے نبیوں کے ساتھ بھی مذاق اڑائے گئے لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ ایسے مذاق کرنے والوں کا نشان مٹ گیا' ایسے گھیرے گئے کہ ایک بھی نہ بچا۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں' اس کے وعدے اٹل ہیں' وہ ضرور اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو نیچا دکھاتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۱ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝۱۰۲

یہ ہیں وہ بستیاں جن کے کچھ حالات ہم تجھے سنا رہے ہیں' ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانات لے کر پہنچ چکے' لیکن جسے وہ اس سے پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان کر ہی نہ دیا' منکروں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے ○ ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں عہد کا پاس پایا ہی نہیں' بلکہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے بے حکم اور بدکار ہی پایا ○

عہد شکن لوگوں کی طے شدہ سزا: ☆☆ (آیت: ۱۰۱-۱۰۲) پہلے قوم نوح' ہود' صالح' لوط اور قوم شعیب کا بیان گزر چکا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ ان سب کے پاس ہمارے رسول حق لے کر پہنچے' معجزے دکھائے' سمجھایا' بجھایا' دلیلیں دیں لیکن وہ نہ مانے اور اپنی بدعادتوں سے باز نہ آئے' جس کی پاداش میں ہلاک ہو گئے' صرف ماننے والے بچ گئے۔ اللہ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ جب تک رسول نہ آ جائیں' خبردار نہ کر دیئے جائیں' عذاب نہیں دیئے جاتے' ہم ظالم نہیں لیکن جبکہ لوگ خود ظلم پر کمر کس لیں تو پھر ہمارے عذاب انہیں آ پکڑتے ہیں۔ ان سب نے جن چیزوں کا انکار کر دیا تھا' ان پر باوجود دلیلیں دیکھ لینے کے بھی ایمان نہ لائے۔ بِمَا كَذَّبُوْا میں ''ب'' سببیہ ہے جیسے وَاِذَا سَمِعُوْا کے پارے کے آخر میں فرمایا ہے کہ تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو معجزے آنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے' ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے' جیسے کہ یہ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں

بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

یہاں بھی فرمان ہے کہ کفار کے دلوں پر اسی طرح ہم مہریں لگا دیا کرتے ہیں' ان میں سے اکثر بد عہد ہیں بلکہ عموماً فاسق ہیں' یہ عہد وہ ہے جو روز ازل میں لیا گیا اور اسی پر پیدا کیے گئے' اسی فطرت اور جبلت میں رکھا گیا' اسی کی تاکید انبیاء علیہم السلام کرتے رہے' لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا' یا مطلق پرواہ نہ کی اور اس عہد کے خلاف غیر اللہ کی پرستش شروع کر دی' اللہ کو مالک' خالق اور لائق عبادت مان کر آئے تھے لیکن یہاں اس کے سراسر خلاف کرنے لگے اور بے دلیل' خلاف عقل و نقل' خلاف فطرت اور خلاف شرع' اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت میں لگ گئے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' میں نے اپنے بندوں کو موحد اور یکطرفہ پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں۔ خود قرآن کریم میں ہے' ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے تھے' سب کی طرف یہی وحی کی تھی کہ میرے سوا اور کوئی معبود نہیں' اے دنیا کے لوگو' تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے تم اپنے سے پہلے کے رسولوں سے دریافت کر لو' کیا ہم نے اپنے سوا اور معبود ان کے لئے مقرر کئے تھے؟ اور فرمان ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا' کہ لوگو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے الگ رہو۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ اس جملے کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ چونکہ پہلے ہی سے اللہ کے علم میں یہ بات مقرر ہو گئی تھی کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہو گا۔

یہی ہو کر رہا کہ باوجود دلائل سامنے آ جانے کے ایمان نہ لائے' میثاق والے دن گو یہ ایمان قبول کر بیٹھے لیکن ان کے دلوں کی حالت اللہ جل شانہ کو معلوم تھی کہ ان کا ایمان جبراً اور ناخوشی سے ہے' جیسے فرمان ہے کہ یہ اگر دوبارہ دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تو پھر بھی وہی کام نئے سرے سے کرنے لگیں گے جن سے انہیں روکا گیا ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ان کے بعد پھر ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتیں دے کر فرعون اور فرعونیوں کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کا انکار کر دیا' اب تو آپ دیکھ لے کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا کچھ ہوا؟ ○ موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون میں تمام جہانوں کے پالنے والے کا پیغمبر ہوں ○ میری شان اسی قابل ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف سچ ہی کہوں' میں تو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے معجزہ بھی لایا ہوں' تو تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دے ○ اس نے کہا کہ اگر تو واقعی کوئی معجزہ لایا ہے تو اسے پیش کر اگر تو سچوں میں سے ہے ○

نابکار لوگوں کا تذکرہ -- انبیاء اور مومنین پر نظر کرم : ☆☆ (آیت :۱۰۳) جن رسولوں کا ذکر گذر چکا ہے یعنی نوح' ہود' صالح' لوط' شعیب صلوات اللہ و سلامہ علیھم و علی سائر الانبیاء اجمعین کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی دلیلیں عطا فرما کر بادشاہ مصر' فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا' لیکن انہوں نے بھی جھٹلایا اور ظلم وزیادتی کی اور صاف انکار کر دیا' حالانکہ ان کے دلوں میں یقین گھر کر چکا تھا۔ اب خود دیکھ لو کہ اللہ کی راہ سے رکنے والوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہوا؟ وہ مع اپنی قوم کے ڈبو دیئے گئے اور پھر لطف یہ ہے کہ مومنوں کے سامنے بے کسی کی پکڑ میں پکڑ لئے گئے تاکہ ان کے دل ٹھنڈے ہوں اور عبرت ہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون : ☆☆ (آیت :۱۰۴-۱۰۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور فرعون کے درمیان جو گفتگو ہوئی' اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ کے کلیم نے فرمایا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں' جو تمام عالم کا خالق و مالک ہے' مجھے یہی لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہی باتیں کہوں جو سراسر حق ہوں۔ "ب" اور "علی" یہ متعاقب ہوا کرتے ہیں جیسے رَمَیْتَ بِالْقَوْسِ اور رمیت علی القوس وغیرہ۔ اور بعض مفسرین کہتے ہیں حقیق کے معنی حریص کے ہیں۔ یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ مجھ پر واجب اور حق ہے کہ اللہ ذوالمنن کا نام لے کر وہی خبر دوں جو حق و صداقت والی ہو کیونکہ میں اللہ عزوجل کی عظمت سے واقف ہوں۔ میں اپنی صداقت کی الٰہی دلیل بھی ساتھ ہی لایا ہوں' تو قوم بنی اسرائیل کو اپنے مظالم سے آزاد کر دے' انہیں اپنی زبردستی کی غلامی سے نکال دے' انہیں ان کے رب کی عبادت کرنے دے' یہ ایک زبردست بزرگ پیغمبر کی نسل سے ہیں یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ فرعون نے کہا' میں تجھے سچا نہیں سمجھتا نہ تیری طلب پوری کروں گا اور اگر تو اپنے دعوے میں واقعہ ہی سچا ہے تو کوئی معجزہ پیش کر۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾

ع ۱۲

اس پر آپ نے اپنی لکڑی ڈال دی جو اسی وقت کھلم کھلا اژدھا بن گئی ○ اور اپنا ہاتھ کھینچ نکالا تو وہ ہر دیکھنے والے کی نگاہ میں اسی وقت چمکیلا بن گیا ○ فرعون کی قوم کے درباریوں نے کہا بھئی یہ تو کوئی بہت بڑا دانا جادوگر ہے ○ یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتا ہے' اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ ○ کہنے لگے اسے اور اس کے بھائی کو تو چھوڑ اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دے ○ کہ وہ تمام دانا جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں ○

عصائے موسیٰ اور فرعون : ☆☆ (آیت :۱۰۷-۱۰۸) آپ نے فرعون کی اس طلب پر اپنے ہاتھ کی لکڑی زمین پر ڈال دی جو بہت بڑا سانپ بن گئی اور منہ پھاڑے فرعون کی طرف لپکی' وہ مارے خوف کے تخت پر سے کود گیا اور فریاد کرنے لگا کہ موسیٰ اللہ کے لئے اسے روک'

اس نے اس قدر اپنا منہ کھولا تھا کہ نیچے کا جبڑا تو زمین پر تھا اور اوپر کا جبڑا محل کی بلندی پر' خوف کے مارے فرعون کی ہوا نکل گئی اور چیخنے لگا کہ موسیٰ اسے روک لے میں ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اسی وقت اس پر ہاتھ رکھا اور وہ اسی وقت لکڑی جیسی لکڑی بن گیا۔ حضرت وہبؒ فرماتے ہیں' حضرت موسیٰؑ کو دیکھتے ہی فرعون کہنے لگا' میں تجھے پہچانتا ہوں' آپ نے فرمایا یقیناً' اس نے کہا تو نے بچپن ہمارے گھر کے ٹکڑوں پر ہی تو گذارا ہے' اس کا جواب حضرت موسیٰ دے ہی رہے تھے کہ اس نے کہا' اسے گرفتار کر لو آپ نے جھٹ سے اپنی لکڑی زمین پر ڈال دی جس نے سانپ بن کر ان پر حملہ کر دیا اور بدحواسی میں ایک دوسرے کو کچلتے اور قتل کرتے ہوئے وہ سب کے سب بھاگے' چنانچہ پچیس ہزار آدمی اس ہنگامے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے اور فرعون سیدھا اپنے گھر میں گھس گیا لیکن اس واقعہ کے بیان کی سند میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح دوسرا معجزہ آپ نے یہ ظاہر کیا کہ اپنا ہاتھ اپنی چادر میں ڈال کر نکالا تو بغیر اس کے کہ کوئی روگ یا برص یا داغ ہو' وہ سفید چمکتا ہوا بن کر نکل آیا جسے ہر ایک نے دیکھا' پھر ہاتھ اندر کیا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

درباریوں سے مشورے ہوئے! ☆☆ (آیت:۱۰۹-۱۱۰) جب ڈر خوف جاتا رہا' فرعون پھر سے اپنے تخت پر آ بیٹھا اور درباریوں کے اوسان درست ہو گئے تو فرعون نے کہا' بھئی مجھے تو یہ جادوگر لگتا ہے اور ہے بھی بڑا استاد' ان لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا حضور درست فرما رہے ہیں۔ اب مشورے کرنے لگے کہ اگر یہ معاملہ یونہی رہا تو لوگ اس کی طرف مائل ہو جائیں گے اور جب یہ قوت پکڑے گا تو ہم سے بادشاہت چھین لے گا' ہمیں جلاوطن کر دے گا' بتاؤ کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کی شان ہے جس سے خوف کھایا' وہی سامنے آیا۔

درباریوں کا مشورہ: ☆☆ (آیت:۱۱۱-۱۱۲) درباریوں نے مشورہ دیا کہ ان دونوں بھائیوں کا معاملہ تو اس وقت رفع دفع کر دُ اسے ملتوی رکھو اور ملک کے ہر حصے میں ہرکارے بھیج دو جو جادوگروں کو جمع کر کے آپ کے دربار میں لائیں' تو جب تمام استاد فن جادوگر آ جائیں' ان سے مقابلہ کرایا جائے تو یہ ہار جائے گا اور منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گا' یہ اگر جادو جانتا ہے تو ہماری رعایا میں جادوگروں کی کیا کمی ہے؟ بڑے بڑے ماہر جادوگر ہم میں موجود ہیں جو اپنے فن میں بے نظیر ہیں اور بہت چست و چالاک ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ ہم سمجھ گئے کہ تو جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دینے کے ارادے سے آیا ہے' تو اگر تجھ میں کوئی سکت ہے تو آ ہاتھ ملا' ہم تجھ سے مقابلے کا دن اور جگہ مقرر کرتے ہیں اور جگہ مقرر ہو جائے پھر جو بھاگے وہی ہارا' آپ نے فرمایا اچھا یہ ہوس بھی نکال لو' جاؤ تمہارا عید کا دن مجھے منظور ہے اور دن چڑھے اجالے کا وقت اور شرط یہ ہے کہ یہ مقابلہ مجمع عام میں ہو' چنانچہ فرعون اس تیاری میں مصروف ہو گیا۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ
الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوۡا
يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ نَحۡنُ الۡمُلۡقِيۡنَ ﴿۱۱۵﴾
قَالَ اَلۡقُوۡا ۚ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا سَحَرُوۡۤا اَعۡيُنَ النَّاسِ وَاسۡتَرۡهَبُوۡ
هُمۡ وَجَآءُوۡ بِسِحۡرٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۱۶﴾

جادوگر فرعون کے پاس آ کر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آ جائیں تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ O فرعون نے کہا ہاں بلکہ تم تو میرے خاص درباری بن جاؤ گے O کہنے لگے اے موسیٰ یا تو تم ہی ڈالو یا ہم آپ ہی ڈالنے والے بن جائیں O آپ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو تو جب وہ ڈال چکے لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نیجادو کر دیا اور ان سب کو ہیبت زدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو لائے O

(آیت: ۱۱۳-۱۱۴) جادوگروں نے پہلے ہی سے فرعون سے قول وقرار لے لیا تا کہ محنت خالی نہ جائے اور اگر ہم جیت جائیں تو خالی ہاتھ نہ رہ جائیں' فرعون نے وعدہ کیا کہ منہ مانگا انعام اور ہمیشہ کے لئے خاص درباریوں میں داخلہ دوں گا' جادوگر یہ قول وقرار لے کر میدان میں اتر آئے۔

جادوگروں سے مقابلہ: ☆☆ (آیت: ۱۱۵-۱۱۶) جادوگروں کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا' وہ سب فی الحقیقت اپنے اس فن کے لاجواب استاد تھے' اس لئے انہوں نے آتے ہی حضرت موسیٰ کو چیلنج دیا کہ لو ہوشیار ہو جاؤ' تمہیں اختیار ہے میدان میں اپنے کرتب پہلے دکھاؤ اور اگر کہو تو پہل ہم کر دیں' آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ تمہارے حوصلے نکل جائیں اور لوگ تمہارا کمال فن دیکھ لیں اور پھر اللہ کی قدرت کو بھی دیکھ لیں اور حق وباطل میں دیکھ بھال کر فیصلہ کر سکیں' وہ تو یہ چاہتے ہی تھے۔ انہوں نے جھٹ سے اپنی رسیاں اور لکڑیاں نکال نکال کر میدان میں ڈالنی شروع کر دیں' ادھر وہ میدان میں پڑتے ہی چلتی پھرتی اور بنی بنائی سانپ معلوم ہونے لگیں' یہ صرف نظر بندی تھی' فی الواقع خارج میں اس کا وجود بدل نہیں گیا تھا بلکہ اس طرح لوگوں کو دکھائی دیتی تھیں کہ گویا زندہ ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خطرہ محسوس کرنے لگے' اللہ کی طرف سے اسی وقت وحی آئی کہ خوف نہ کر' تو ہی غالب رہے گا' اپنے دائیں ہاتھ کی لکڑی ڈال تو سہی' ان کا کیا دھرا یہ تو سب ہڑپ کر جائے گی' یہ سب تو جادوگری کا کرشمہ ہے' بھلا جادو والے بھی کبھی کامیاب ہوئے ہیں؟ بڑی موٹی موٹی رسیاں اور لمبی لمبی لکڑیاں انہوں نے ڈالی تھیں جو سب چلتی پھرتی دوڑتی بھاگتی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہ جادوگر پندرہ ہزار یا تیس ہزار سے اوپر اوپر تھے یا ستر ہزار کی تعداد میں تھے' ہر ایک اپنے ساتھ رسیاں اور لکڑیاں لایا تھا' صف بستہ کھڑے تھے اور لوگ چاروں طرف موجود تھے ہر ایک ہمہ تن شوق بنا ہوا تھا فرعون اپنے لاؤ ولشکر اور درباریوں سمیت بڑے رعب سے اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا' ادھر وقت ہوا' ادھر سب کی نگاہوں نے دیکھا کہ ایک درویش صفت اللہ کا نبی اپنے ساتھ اپنے بھائی کو لئے ہوئے لکڑی ٹکاتے ہوئے آ رہے ہیں' یہ تھے جن کے مقابلے کی یہ دھوم دھام تھی' آپ کے آتے ہی جادوگروں نے صرف یہ دریافت کر کے کہ ابتدا کس کی طرف سے ہونی چاہئے خود ابتدا کر دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی' پھر فرعون کی' پھر تماشائیوں کی آنکھوں پر جادو کر کے سب کو ہیبت زدہ کر دیا' اس کے بعد انہوں نے اپنی اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو ہزار ہا کی تعداد میں پہاڑوں کے برابر سانپ نظر آنے لگے جو اوپر تلے ایک دوسرے سے لپٹ رہے تھے' ادھر ادھر دوڑ رہے ہیں' میدان بھر گیا ہے' انہوں نے اپنے فن کا پورا مظاہرہ کر دکھایا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لکڑی ڈال دے' وہ اسی وقت ان کے رچائے ہوئے تمام ڈھونگ کو نگلنے لگی ○ تو حق ثابت ہوگیا اور وہ جو کچھ کر رہے تھے' محض باطل ہوگیا ○ قوم فرعون وہاں ہار گئی اور بڑی ذلیل وخوار ہوئی ○ اور سارے ہی جادوگر سجدے میں گر پڑے ○ اور صاف کہہ دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے ○ یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر ○

جادوگر سجدہ ریز ہوگئے: ☆☆ (آیت: ۱۱۷-۱۲۲) اسی میدان میں جادوگروں کے اس حملے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؑ کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکڑی کو صرف زمین پر گرا' وہ اسی وقت ان کے سارے ہی لغویات ہضم کر جائے گی' چنانچہ یہی ہوا آپ کی لکڑی نے اژدھا بن کر سارے میدان کو صاف کر دیا' جو کچھ وہاں تھا' سب کو ہڑپ کر لیا ایک بھی چیز اب میدان میں نظر نہ آتی تھی' پھر حضرت موسیٰؑ نے جہاں اس پہ ہاتھ رکھا' وہ ویسی کی ویسی لکڑی بن گئی۔ یہ دیکھتے ہی جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں' یہ تو سچ مچ اللہ کی طرف کا معجزہ ہے' حق ثابت ہوگیا' باطل دب گیا' تمیز ہوگئی' معاملہ صاف ہوگیا' فرعونی بری طرح ہارے اور بری طرح پسپا ہوئے۔

ادھر جادوگر اپنا ایمان چھپا نہ سکے' جان کے خوف کے باوجود اسی میدان میں سجدہ ریز ہوگئے اور کہنے لگے حضرت موسیٰ کے پاس جادو نہیں' یہ تو اللہ کی طرف سے معجزہ ہے جو خود اللہ نے اسے عطا فرما رکھا ہے' ہم تو اس اللہ پر ایمان لائے' حقیقتاً رب العالمین وہی ہے۔ پھر کسی کو کچھ اور شبہ نہ ہو' یا کوئی کسی طرح کی تاویل نہ کر سکے اور صفائی کر دی کہ ان دونوں بھائیوں اور اللہ کے سچے نبیوں' یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے پروردگار کو ہم نے تو مان لیا۔ حضرت قاسم کا بیان ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے تو اٹھنے سے پہلے ہی پروردگار عالم نے دوزخ دکھائی جس سے انہیں بچایا گیا تھا اور جنت دکھائی جو انہیں دی گئی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا
لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸

فرعون کہنے لگا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لا چکے؟ یقیناً یہ تمہاری ایک مکاری ہے جسے اس شہر میں ظاہر کر کے تم یہاں سے یہاں والوں کو نکال دینا چاہتے ہو' خیر تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا ○ میں تم سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کٹوا کر پھر تمہیں سولی پر لٹکوا دوں گا ○ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں ○ تو ہم سے محض اسی بات کا انتقام لے رہا ہے کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے پاس آئیں تو ہم انہیں تسلیم کر لیں' اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر برسا دے اور ہمیں مسلمانی کی حالت میں اٹھا ○

فرعون سیخ پا ہوگیا: ☆☆ (آیت: ۱۲۳-۱۲۶) جادوگروں کے اس طرح مجمع عام میں ہار جانے' پھر اس طرح سب کے سامنے بے دھڑک اسلام قبول کر لینے سے فرعون آگ بگولا ہوگیا اور اس اثر کو روکنے کے لئے سب سے پہلے تو ان مسلمانوں سے کہنے لگا' تمہارا بھید مجھ

پر کھل گیا ہے، تم سب مع موسیٰ کے ایک ہی ہو، یہ تمہارا استاد ہے، تم اس کے شاگرد ہو، تم نے آپس میں پہلے یہ طے کیا کہ تو پہلے چلا جا، پھر ہم آ جائیں گے، اس طرح میدان قائم ہو، ہم مصنوعی لڑائی لڑ کر ہار جائیں گے اور اس طرح اس ملک کے اصلی باشندوں کو یہاں سے نکال باہر کریں گے۔ فرعون کے اس جھوٹ پر اللہ کی مار ہے، کوئی بیوقوف انسان بھی اس کے ایک جملہ کو بھی صحیح نہیں سمجھ سکتا۔ سب کو معلوم تھا موسیٰ علیہ السلام اپنا بچپن فرعون کے محل میں گزارتے ہیں، اس کے بعد مدین میں عمر کا ایک حصہ بسر کرتے ہیں، مدین سے سیدھے مصر کو پہنچ کر اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں اور معجزے دکھاتے ہیں جن سے عاجز آ کر فرعون اپنے جادوگروں کو جمع کرتا ہے، وہ براہ راست اس کی سپاہ کے ساتھ اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، انعام واکرام کے لالچ سے ان کے دل بڑھائے جاتے ہیں، وہ اپنی فتح مندی کا یقین دلاتے ہیں، فرعون انہیں اپنی رضامندی کا یقین دلاتا ہے اور خوب تیاریاں کر کے میدان جماتے ہیں۔

حضرت موسیٰ ان میں سے ایک سے بھی واقف نہیں، کبھی نہ کسی کو دیکھا ہے، نہ سنا ہے، نہ ملے ہیں، نہ جانتے ہیں، لیکن، وزیرے چنیں شہر یارے چناں، وہاں تو ان لوگوں کا مجمع تھا کہ فرعون نے جب کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں، تو سب نے گردنیں جھکا کر کہا بے شک جناب آپ ہمارے رب ہیں، تو ایسے جہالت کے پلندوں سے کوئی بات منوا لینی کیا مشکل تھی؟ اس کے رعب میں آ کر ایمان لانے کا ارادہ بدلا اور سمجھ بیٹھے کہ واقعی فرعون ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے امیر سے فرمایا کہ اگر میں غالب آ جاؤں تو کیا تو مجھ پر ایمان لائے گا؟ اس نے کہا آج میدان میں ہماری جانب جو جادو پیش کیا جائے گا، اس کا جواب ساری مخلوق کے پاس نہیں، تو اگر اس پر غالب آ گیا تو مجھے بے شک یقین ہو جائے گا کہ وہ جادو نہیں معجزہ ہے۔ یہ گفتگو فرعون کے کانوں تک پہنچی، اسے یہ دوہرا رہا ہے کہ تم نے ملی بھگت کر لی۔ اس طرح لوگوں کے دل حقانیت سے ہٹا کر انہیں بدظن کرنے کے لئے دوسری چال یہ چلتا اور کہتا ہے کہ تم اپنے اکٹے، اتفاق اور پوشیدہ چال سے چاہتے یہ ہو کہ ہماری دولت وشوکت چھین لو، ہمیں یہاں سے نکال باہر کرو۔ اس طرح اپنی قوم کے دل ان کی طرف سے پھیر کر، پھر انہیں خوفزدہ کرنے کے لئے چوتھی چال چلتا ہے، کہ ان نومسلموں سے کہتا ہے کہ دیکھو تو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ سو میں کتنے بیس ہوتے ہیں۔ مجھے بھی قسم ہے جو تمہارے ہاتھ پاؤں نہ کٹوائے اور وہ بھی الٹی طرح یعنی پہلے اگر سیدھا ہاتھ کاٹا جائے تو پھر بایاں پاؤں اور اگر پہلے سیدھا پاؤں کاٹا گیا تو پھر الٹا ہاتھ، اسی طرح بے دست و پا کر کے کھجوروں کی شاخوں پر لٹکا دوں گا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس ظالم بادشاہ سے پہلے ان دونوں سزاؤں کا رواج نہ تھا، یہ دھمکی دے کر وہ سمجھتا تھا کہ اب یہ نرم پڑ جائیں گے لیکن وہ تو ایمان میں اور پختہ ہو گئے، بالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ اچھا ڈرایا؟ یہاں سے تو واپس اللہ کے پاس جانا ہی ہے اسی کے قبضہ و قدرت میں سب کچھ ہے، آج اگر تیری سزاؤں سے بچ گئے تو کیا اللہ کے ہاں کی سزائیں بھی معاف ہو جائیں گی؟ ہمارے نزدیک تو دنیا کی سزائیں بھگت لینا بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بھگتنے کے بہت ہی آسان ہے، تو ہم سے اللہ کے نبی کا مقابلہ کرا چکا ہے، لیکن اب جبکہ ہم پر حق واضح ہو گیا، ہم اس پر ایمان لے آئے تو تو چڑ رہا ہے، کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن پھر خیال آیا کہ کہیں ہمارا قدم پھسل نہ جائے۔ اس لئے دعا میں دل کھول دیا کہ اے اللہ ہمیں صبر عطا فرما، ثابت قدمی دے، ہمیں اسلام پر ہی موت دے، تیرے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرتے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوں، ایسا نہ ہو اس ظالم کے رعب میں یا اس کی دھمکیوں میں آ جائیں یا سزاؤں سے ڈر جائیں یا ان کے برداشت کی تاب نہ لائیں۔ ان دعاؤں کے بعد دل بڑھ جاتے ہیں، ہمتیں دوگنا ہو جاتی ہیں۔ فرعون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتے ہیں، تجھے جو کرنا ہے اس میں کمی نہ کر، کوئی کسر اٹھا نہ رکھ، جو جی میں ہے کر گذر، تو تو دنیا ہی میں سزائیں دے سکتا ہے، ہم صبر کر لیں گے، کیا

عجب کہ ہمارے ایمان کی وجہ سے اللہ ہماری خطائیں معاف فرمائے خصوصاً اس وقت کی یہ خطا کہ ہم نے جھوٹ سے سچ کا مقابلہ کیا' بے شک اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ گناہگاروں کے لئے اس کے ہاں جہنم کی سزا ہے جہاں نہ موت آئے نہ کارآمد زندگی ہو اور مومنوں کے لئے اس کے پاس جنتیں ہیں جہاں بڑے بلند درجے ہیں۔ سبحان اللہ یہ لوگ دن کے ابتدائی حصے میں کافر اور جادوگر تھے اور اسی دن کے آخری حصے میں مومن بلکہ نیک شہید تھے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۗ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

فرعون کے قومی سرداروں نے کہا کہ کیا اے بادشاہ آپ موسیٰ کو اور اس کی قوم کو یوں ہی زمین میں فساد مچانے دیا کریں گے؟ کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو بھی چھوڑ بیٹھیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں' ہم تو ان کے لڑکوں کو قتل کرا دیا کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیں گے' ہم ان پر ہر طرح غالب ہیں ○

آخری حربہ' بغاوت کا الزام: ☆☆ (آیت: ۱۲۷) فرعون اور فرعونیت نے حضرت موسیٰ اور مسلمانوں کے خلاف جو منصوبے سوچے' ان کا بیان ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کو ان مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہے۔ کہنے لگے یہ تو آپ کی رعایا کو بہکاتے ہیں' بغاوت پھیلا دیں گے' ملک میں بدامنی پیدا کریں گے' ان کا ضرور اور جلد کوئی انتظام کرنا چاہئے۔ اللہ کی شان دیکھئے' یہ کیسے مصلح بنے ہوئے ہیں کہ اللہ کے رسول اور مومنوں کے فساد سے دنیا کو بچانا چاہتے ہیں' حالانکہ مفسد اور بدنفس خود ہیں۔ وَيَذَرَكَ میں بعض تو کہتے ہیں واؤ حالیہ ہے یعنی درآنحالیکہ موسیٰؑ اور قوم موسیٰ نے تیری پرستش چھوڑ رکھی ہے' پھر بھی تو انہیں زندہ رہنے دیتا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرات میں ہے وَقَدْ تَرَكُوْكَ اَنْ يَّعْبُدُوْا اٰلِهَتَكَ اور قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے یعنی تو نے انہیں چھوڑ رکھا ہے' جس فساد کو یہ برپا کر رہے ہیں اور تیرے معبودوں کے چھوڑنے پر اکسار ہے ہیں۔ بعض کی قرأت اِلَاهَتَكَ ہے یعنی تیری عبادت سے۔ بعض کا بیان ہے کہ فرعون بھی کسی کی پوجا کرتا تھا۔

ایک قول ہے کہ اسے وہ پوشیدہ راز میں رکھتا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کا بت اس کی گردن میں ہی لٹکتا رہتا تھا جسے یہ سجدہ کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی بہترین گائے پر فرعون کی نگاہ پڑ جاتی تو لوگوں سے کہہ دیتا کہ اس کی پرستش کرو' اسی لئے سامری نے بھی بنی اسرائیل کے لئے بچھڑا نکالا۔ الغرض اپنے سرداروں کی بات سن کر فرعون جواب دیتا ہے کہ اب ان کے لئے ہم احکام جاری کریں گے کہ ان کے ہاں جو اولاد ہو' دیکھ لی جائے' اگر لڑکا ہو تو قتل کر دیا جائے' لڑکی ہو تو زندہ چھوڑ دی جائے۔ پہلے سرکش فرعون ان مساکین کے ساتھ یہی کر چکا تھا جبکہ اسے یہ منظور تھا کہ حضرت موسیٰؑ پیدا ہی نہ ہوں' لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ غالب آیا اور حضرت موسیٰ باوجود اس کے حکم کے زندہ و سالم بچے رہے۔ اب دوبارہ اس نے یہی قانون جاری کر دیا تاکہ بنی اسرائیل کی جمعیت ٹوٹ جائے' یہ کمزور پڑ جائیں اور بالآخر ان کا نام مٹ جائے' لیکن قدرت نے اس کا بھی خلاف کر دکھایا' اس کو اور اس کی قوم کو غارت کر دیا اور بنی اسرائیل کو اوج و ترقی پر پہنچا دیا۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ

يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو زمین کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے' اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' اس کا وارث بنا دیتا ہے' انجام کار کی بہتری پرہیزگاروں ہی کا حصہ ہے ○ وہ کہنے لگے کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں تو تکلیفیں پہنچائی جاتی رہیں اور آپ ہمارے پاس آ چکے' اس کے بعد بھی فرمایا' بہت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو بالکل ہی تاخت و تاراج کر دے اور خود تمہیں ہی زمین کا خلیفہ بنا دے' پھر دیکھ لے کہ تم کیسے کچھ اعمال کرتے ہو؟ ○

(آیت: ۱۲۸۔۱۲۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تکبر کے مقابلے میں تحمل اور اس کے ظلم کے مقابلے میں صبر سے کام لیا' اپنی قوم کو سمجھایا اور بتایا کہ اللہ فرما چکا ہے کہ ہر لحاظ سے تم ہی اچھے رہو گے' تم اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ قوم کے لوگوں نے کہا' اے اللہ کے نبی آپ کی نبوت سے پہلے بھی ہم اس طرح ستائے جاتے رہے' اسی ذلت و اہانت میں مبتلا رہے اور اب پھر یہی نوبت آئی ہے' آپ نے مزید تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں' یقین مانو کہ تمہارا بدخواہ ہلاک ہو گا اور تم کو اللہ تعالیٰ اوج پر پہنچائے گا۔ اس وقت وہ دیکھے گا کہ کون کتنا شکر بجا لاتا ہے؟ تکلیف کا ہٹ جانا' راحت کا مل جانا انسان کو نہال نہال کر دیتا ہے' یہ پورے شکریئے کا وقت ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۰﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾

ہم نے فرعونیوں کو قحط سالیوں اور پھلوں کی کمی میں گرفتار کیا کہ وہ نصیحت حاصل کر لیں ○ انہیں جب راحت ملتی' کہتے ہم اسی کے قابل ہیں اور جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست سے بتاتے' آگاہ رہو کہ ان کی بدشگونی تو اللہ کے پاس ہے لیکن یہ محض بے خبر ہیں ○ کہنے لگے کہ موسیٰ تو ہمیں جادو کرنے کے لئے جو بھی چاہے نشان لے آ ہم تو تیری مان کر دیتے ہی نہیں ○

اعمال کا خمیازہ: ☆☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۱) اب آل فرعون پر بھی سختی کے مواقع آئے تا کہ ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کے دین کی طرف جھکیں' کھیتیاں کم آئیں' قحط سالیاں پڑ گئیں' درختوں میں پھل کم لگے یہاں تک کہ ایک درخت میں ایک ہی کھجور لگی یہ صرف بطور آزمائش تھا کہ وہ اب بھی ٹھیک ٹھاک ہو جائیں' لیکن ان عقل کے اندھوں کو راستی سے دشمنی ہو گئی' شادابی اور فراخی دیکھ کر تو اکڑ کر کہتے کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور خشک سالی اور تنگی دیکھ کر آواز لگاتے کہ یہ موسیٰ اور مومنوں کی وجہ سے ہے' جبکہ مصیبتیں اور راحتیں اللہ کی جانب سے ہیں' لیکن بے عملی کی باتیں بناتے رہے' ان کی بدشگونی ان کے بداعمال تھے جو اللہ کی طرف سے ان پر مصیبتیں لاتے تھے۔

سیاہ دل لوگ اقرار کے بعد انکار کرتے رہے: ☆☆ (۱۳۲-۱۳۵) ان کی سرکشی اور ضد دیکھئے کہ حضرت موسیٰ سے صاف کہتے ہیں کہ

آپ خواہ کتنی ہی دلیلیں پیش کریں، کیسے ہی معجزے بتائیں، ہم ایمان لانے والے نہیں، ہم جانتے ہیں کہ یہ سب آپ کے جادو کے کرشمے ہیں۔ ان پر طوفان آیا، بکثرت بارشیں برسیں جس سے پھل اور اناج تباہ ہو گئے اور اسی سے وبا اور طاعون کی بیماری پھیل پڑی۔ اسی لئے بعض مفسرین نے کہا ہے، طوفان سے مراد موت ہے۔ بعض کہتے ہیں کوئی زبردست آسمانی آفت آئی تھی جس نے انہیں گھیر لیا تھا، ٹڈیوں کی مصیبت ان پر آئی یہ ایک حلال جانور ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، سات غزوے میں نے رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کئے ہیں، ہر ایک میں ہم تو ٹڈیاں کھاتے رہے۔

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں، دو مردے اور دو خون ہمارے لئے حلال کئے گئے ہیں، مچھلی اور ٹڈی اور کلیجی اور تلی۔ ابوداؤد میں ہے، حضورؐ سے ٹڈی کی نسبت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا، اللہ کے لشکر بہت سے ہیں جنہیں نہ میں کھاتا ہوں نہ حرام کہتا ہوں۔ حضورؐ نے طبیعت نہ چاہنے کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا جیسے گوہ کو آپ نے نہیں کھایا، حالانکہ دوسروں کو اس کے کھانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ اس میں تصنیف فرمایا ہے، اس میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضورؐ ٹڈی نہیں کھاتے تھے اور نہ گردے کھاتے تھے اور نہ گوہ، لیکن انہیں آپ نے حرام نہیں کیا۔ ٹڈی اس وجہ سے کہ وہ عذاب ہے، گردے اس وجہ سے کہ یہ پیشاب کے قریب ہیں اور گوہ اس وجہ سے کہ آپ کو خوف تھا کہ کہیں یہ مسخ شدہ امت نہ ہو، پھر یہ روایت بھی غریب ہے، صرف یہی ایک سند ہے امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹڈی کو بڑی رغبت سے کھایا کرتے، تلاش کر کے منگوایا کرتے، چنانچہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا کہ ٹڈی کھائی جائے؟ آپ نے فرمایا کاش کہ ایک دو لپیں مل جاتیں تو کیسے مزے سے کھاتے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ
إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾

پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا اور ٹڈیاں اور چچڑی، جوئیں اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانات لیکن یہ اکڑتے ہی رہے، یہ تھے ہی بڑے ہی نافرمان لوگ ○ کوئی سزا جب ان پر آ جاتی تو کہنے لگتے، اے موسیٰ اپنے رب سے ہمارے لئے بمطابق اس اقرار کے جو تجھ سے ہے، دعا کر، اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو ہم تیرے ساتھ بھیج دیں گے ○ پھر جب ہم ان سے اپنے عذاب ہٹا لیتے اس مدت تک جسے وہ پہنچنے والے ہی ہیں، اسی وقت فوراً ہی وہ عہد شکنی کر ڈالتے ○

ابن ماجہ میں ہے کہ امہات المومنین تو طباقوں میں لگا کر ٹڈیاں ہدیے اور تحفے کے طور پر بھیجتی تھیں۔ امام بغوی ایک روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ایسا گوشت مجھے کھلا جس میں خون نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے انہیں ٹڈی کھلائی۔ آپ نے ان کے لئے دعا کی کہ اے اللہ اسے بغیر دودھ پینے کے زندگی دے اور اس کی اولاد کو بغیر آواز نکالے اس کے

پیچھے لگا دے۔ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ ٹڈیوں کو مارو نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں' یہ ٹڈیاں ان کے دروازوں کی کیلیں کھا جاتی تھیں اور لکڑی چھوڑ دیتی تھیں۔ اوزاعی کہتے ہیں' میں ایک دن جنگل میں تھا' کیا دیکھتا ہوں کہ ٹڈیاں بہت سی آسمان کی طرف ہیں اور ان میں سے ایک ٹڈی پر ایک شخص سوار ہے جو ہتھیار بند ہے' جو جس طرف اشارہ کرتا ہے' ساری ٹڈیاں اس طرف کو جھک جاتی ہیں اور وہ زبان سے برابر کہہ رہا ہے کہ دنیا باطل ہے اور اس میں جو ہے وہ بھی باطل ہے۔

شریح قاضی فرماتے ہیں' اس جانور میں سات مختلف جانوروں کی شان ہے' اس کا سر گھوڑے جیسا ہے' گردن بیل جیسی ہے' سینہ شیر جیسا ہے' پر گدھ جیسے ہیں' پیر اونٹ جیسے ہیں' دم سانپ کی طرح ہے' پیٹ بچھو جیسا ہے۔ آیت اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ کی تفسیر میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں جا رہے تھے تو سامنے سے ہمیں ٹڈی دل ملا' ہم نے احرام کی حالت میں انہیں لکڑیوں سے مارنا شروع کیا' حضورؐ سے سوال کرنے پر آپؐ نے فرمایا' دریائی شکار میں محرم کو کوئی حرج نہیں حضور ﷺ جب ان ٹڈیوں کے لئے بددعا کرتے تو فرماتے اے اللہ جتنی ان میں سے بڑی ہیں' تو انہیں سب کو ہلاک کر ڈال اور جتنی چھوٹی ہیں' سب کو قتل کر ڈال' ان کے انڈے خراب کر دے' ان کی نسل کاٹ دے' ان کے منہ ہماری روزی سے روک لے' ہمیں روزیاں عطا فرما' بے شک تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اس پر حضرت جابرؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ! اللہ کے ایک لشکر کے غارت و برباد ہو جانے کی آپ دعا کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو سمندر کے اندر کی مچھلیوں کا ناک جھاڑن ہے' چنانچہ بعض لوگوں نے اسے مچھلی میں سے اسی طرح نکلتے دیکھا ہے۔ جب مچھلی سمندر کے کنارے انڈے دے جاتی ہے وہاں سے جب پانی ہٹ جاتا ہے اور دھوپ پڑنے لگتی ہے تو وہ سب انڈے پھوٹ جاتے ہیں اور ان میں سے ٹڈیاں نکلتی ہیں جو پرواز کر جاتی ہیں آیت قرآن اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ کی تفسیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث ہم نے بیان کر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں' سب سے پہلے ہلاکت ٹڈیوں کی ہوگی۔ امام ابوبکر بن ابوداؤد ایک حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لکڑی تلوار کے مقابلے پر کچھ نہیں اور درخت کی چھال ٹڈی کے مقابلے میں کچھ نہیں' یہ حدیث غریب ہے۔ قمل کے بارے میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ وہ سیاہ رنگ کے چھوٹے چھوٹے جانور ہیں جو گیہوں میں سے نکلتے ہیں ایک قول ہے کہ یہ بھی ایک قسم کی بے پر کی ٹڈیاں ہیں۔

سعید کہتے ہیں' سیاہ رنگ کے چھوٹے سے کیڑے ہیں اس کا واحد قملہ ہے' یہ جانور جب اونٹ کو چمٹ جاتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں الغرض ایسے ہی موذی جانور بصورت عذاب فرعونیوں کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرعون کی سرکشی اور انکار پر طوفان آیا جس سے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا عذاب ہے' گڑگڑا کر حضرت موسیٰ سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے' یہ موسلا دھار پانی رک جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ کر دیں گے' آپ نے دعا کی' طوفان ہٹ گیا تو یہ اپنے وعدے سے پھر گئے' پھر اللہ کی شان ہے کہ کھیتیاں اور باغات اس قدر پھلے کہ اس سے پہلے کبھی ایسے نہیں پھلے تھے' جب تیار ہو گئے تو ٹڈیوں کا عذاب آیا' اسے دیکھ کر پھر گھبرائے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہٹا لے اب ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں چنانچہ آپ کی دعا سے یہ عذاب بھی ہٹ گیا' لیکن انہوں نے پھر وعدہ شکنی کی' فصلیں کاٹ لائے' کھلیان اٹھا لئے' لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب پھر اور شکل میں آیا' تمام اناج وغیرہ میں کیڑا لگ گیا' اس قدر بکثرت یہ جانور پھیل گئے کہ دس پیمانے لے کر کوئی شخص پسوانے نکلتا تو پسوانے تک وہ جانور سات پیمانے کھا لیتے' گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے' پھر وعدے کئے آپ نے پھر دعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس آفت کو بھی ہٹا لیا' لیکن انہوں نے پھر

بے ایمانی کی' نہ بنی اسرائیل کو رہا کیا نہ ایمان قبول کیا' اس پر مینڈکوں کا عذاب آیا' دربار میں فرعون بیٹھا ہوا ہے تو وہیں مینڈک ظاہر ہو کر ٹرانے لگا' سمجھ گئے کہ یہ نئی شکل کا عذاب الٰہی ہے اب یہ پھیلنے اور بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ آدمی بیٹھتا تو اس کی گردن تک آس پاس سے اسے مینڈک گھیر لیتے' جہاں بات کرنے کے لئے کوئی منہ کھولتا کہ مینڈک تڑپ کر اس کے منہ میں گھس جاتا' پھر تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عذاب کے ہٹنے کی درخواست کی اور اقرار کیا کہ ہم خود ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گچنانچہ آپ نے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو بھی دفع کر دیا' لیکن پھر مکر گئے' چنانچہ ان پر خون کا عذاب آیا تمام برتنوں میں خون' کھانے پینے کی چیزوں میں خون' کنویں میں سے پانی نکالیں تو خون' تالاب سے پانی لائیں تو خون' پھر تڑپ اٹھے فرعون نے کہا' یہ بھی جادو ہے لیکن جب تنگ آ گئے تو آخر حضرت موسیٰ سے مع وعدہ درخواست کی کہ ہم تو پانی سے ترس گئے۔ چنانچہ آپ نے قول قرار لے کر پھر دعا کی اور اللہ نے اس عذاب کو بھی ہٹا لیا لیکن یہ پھر منکر ہو گئے۔ فرعون جب میدان سے ناکام واپس لوٹا تو اس نے ٹھان لی تھی کہ خواہ کچھ بھی ہو' میں ایمان نہ لاؤں گا۔

چنانچہ طوفان کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے' پھر ٹڈیوں کا عذاب آیا تو درخت تو کیا گھر کی چوکھٹیں اور دروازوں تک وہ کھا گئیں' مکانات گرنے لگے' پھر حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے ایک پتھر پر لکڑی ماری' جس میں سے بے شمار چچڑیاں نکل پڑیں اور پھیل گئیں کھانا' پینا' سونا' بیٹھنا' سب بند ہو گیا' پھر مینڈکوں کا عذاب آیا' جہاں دیکھو مینڈک ہی مینڈک نظر آنے لگے' پھر خون کا عذاب آیا نہریں' تالاب' کنویں' مٹکے' گھڑے وغیرہ غرض بجائے پانی کے خون ہی خون سب چیزیں ہو گئیں۔ عبید اللہ بن عمرو فرماتے ہیں' مینڈک کو نہ مارو' یہ جب بصورت عذاب فرعونیوں کے پاس آئے تو ایک نے اللہ کی رضا جوئی کے لئے تنور میں چھلانگ ماری' اللہ نے اس کے بدلے انہیں پانی کی ٹھنڈک عطا فرمائی اور ان کی آواز کو اپنی تسبیح بنایا۔ یہ بھی مروی ہے کہ خون سے مراد نکسیر پھوٹنا ہے الغرض ہر عذاب کو دیکھ کر اقرار کرتے' لیکن جب حضرت موسیٰ کی دعا سے وہ ہٹ جاتا تو پھر انکار کر جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

پھر ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے غافل تھے ○ اور قوم کو وارث کیا جو محض ناتواں گنی جاتی تھی اس زمین کی مشرقوں اور مغربوں کا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی اور بنی اسرائیل سے تیرے رب کا بہترین وعدہ پورا ہوا صرف ان کے صبر کی وجہ سے اور ہم نے درہم برہم کر دیا ہر اس چیز کو جسے قوم فرعون کر رہی تھی اور جو کچھ وہ بلند و بالا عمارتیں بنا رہے تھے سب کو ○

انجام سرکشی: ☆☆ (آیت: ۱۳۶-۱۳۷) جب یہ لوگ اپنی سرکشی اور خود پسندی میں اتنے بڑھ گئے کہ باری تعالیٰ کی بار بار کی نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان لانے سے برابر انکار کرتے رہے' تو قدرت نے اپنے زبردست انتقام میں انہیں پھانس لیا اور سب کو دریا برد کر دیا۔

بنواسرائیل بحکم اللہ تعالیٰ ہجرت کر کے چلے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا ان کے لئے خشک ہو گیا' پھر فرعون اور اس کے ساتھی اس میں اترے تو دریا میں پھر روانی آ گئی اور پانی کا ریلا آیا اور وہ سب ڈوب گئے' یہ تھا انجام اللہ کی باتوں کو جھوٹ سمجھنے اور ان سے غافل رہنے کا۔ پھر پروردگار نے بنواسرائیل جیسے کمزور و ناتواں لوگوں کو اس زمین کا وارث بنا دیا' مشرق و مغرب ان کے قبضے میں آ گیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے ان بے بسوں پر احسان کرنا چاہا اور انہیں امام اور وارث بنانا چاہا' انہیں حکومت سونپ دی اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکریوں کو وہ نتیجہ دکھایا جس سے وہ بھاگ رہے تھے۔ فرعونیوں سے ہرے بھرے باغات' چشمے' کھیتیاں' عمدہ مقامات' فراواں نعمتیں چھڑوا کر ہم نے دوسری قوم کے سپرد کر دیں' یہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ہے' سرزمین شام برکت والی ہے' بنی اسرائیل کا صبر نیک نتیجہ لایا' فرعون اور اس کی قوم کی بنی بنائی چیزیں غارت ہوئیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

بنی اسرائیل کو جب ہم نے دریا پار کر دیا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں کی مجاورت کئے بیٹھی تھی' کہنے لگے اے موسیٰ' ہمارے لئے بھی کوئی پوجنے کی چیز بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں' آپ نے فرمایا' تم بڑے جاہل لوگ ہو ○ یہ جس مذہب پر ہیں' وہ بھی باطل اور جس عمل پر ہیں وہ بھی باطل ○

شوق بت پرستی : ☆☆ (آیت: ۱۳۸-۱۳۹) اتنی ساری اللہ کی قدرت کی نشانیاں بنی اسرائیل دیکھ چکے لیکن دریا پار اترتے ہی بت پرستوں کے ایک گروہ کو اپنے بتوں کے آس پاس اعتکاف میں بیٹھے دیکھتے ہی موسیٰ سے کہنے لگے کہ "ہمارے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے تا کہ ہم بھی اس کی عبادت کریں جیسے کہ ان کے معبود ان کے سامنے ہیں' یہ کافر لوگ کنعانی تھے' ایک قول ہے کہ لخم قبیلہ کے تھے' یہ گائے کی شکل بنائے ہوئے اس کی پوجا کر رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا' تم اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے محض ناواقف ہو تم نہیں جانتے کہ اللہ شریک و مثیل سے پاک اور بلند تر ہے یہ لوگ جس کام میں مبتلا ہیں' وہ تباہ کن ہے اور ان کا عمل باطل ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکے شریف سے حنین کو روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں بیری کا وہ درخت ملا جہاں مشرکین مجاور بن کر بیٹھا کرتے تھے اور اپنے ہتھیار وہاں لٹکایا کرتے تھے' اس کا نام ذات انواط تھا تو صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ایک ذات انواط ہمارے لئے بھی مقرر کر دیں' آپ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم نے قوم موسیٰ جیسی بات کہہ دی کہ ہمارے لئے بھی معبود مقرر کر دیجئے جیسا ان کا معبود ہے' جس کے جواب میں حضرت کلیم اللہ نے فرمایا' تم جاہل لوگ ہو' یہ لوگ جس شغل میں ہیں' وہ ہلاکت خیز ہے اور جس کام میں ہیں' وہ باطل ہے ابن جریر۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ درخواست کرنے والے حضرت ابو واقد لیثی تھے' جواب سے پہلے یہ سوال سن کر آنحضرت ﷺ کا اللہ اکبر کہنا بھی مروی ہے اور یہ بھی کہ آپ نے فرمایا کہ تم بھی اپنے اگلوں کی سی چال چلنے لگے۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾
وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ
الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
ع ١٦ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً
وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ
مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ
سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾

کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا اور معبود تلاش کردوں؟ اس نے تمہیں تمام جہان پر بزرگی دے رکھی ہے ○ یاد کرو جبکہ ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین سزائیں دے رہے تھے' تمہارے لڑکوں کو ذبح کرڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے' دراصل اس میں تمہارے رب کی جانب سے تمہاری زبردست آزمائش تھی ○ ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس وعدہ کو دس روز سے پورا فرمایا اور یوں اس کے رب کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہو گیا' موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تو میری قوم میں میرا جانشین رہ' میل جول قائم رکھ اور مفسدوں کی راہ نہ چل ○

ماضی کی یاددہانی: ☆☆ (آیت: ۱۴۰-۱۴۱) انہیں اس گمراہ خیالی سے روکنے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا رہے ہیں کہ فرعونیوں کی غلامی سے اللہ نے تمہیں آزادی دلوائی' ذلت و رسوائی سے چھٹکارا دیا' پھر اوج و عزت عطا فرمائی' تمہارے دیکھتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو غارت کر دیا' ایسے رب کے سوا اور کوئی لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ فرعون کے وقت کی اپنی ابتری کو بھول گئے جس سے اللہ نے نجات دی۔ اس کی پوری تفسیر سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

احسانات پہ احسانات: ☆☆ (آیت: ۱۴۲) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اپنا وہ احسان یاد دلاتا ہے جس کی وجہ سے موسیٰؑ کو شرف ہم کلامی حاصل ہوا اور تورات ملی جو ان سب کے لئے باعث ہدایت و نور تھی' جس میں ان کی شریعت کی تفصیل تھی اور اللہ کے تمام احکام موجود تھے۔ تیس راتوں کا وعدہ ہوا' آپ نے یہ دن روزوں سے گذارے' وقت پورا کر کے ایک درخت کی چھال کو چبا کر مسواک کی' حکم ہوا کہ دس اور پورے کر کے پورے چالیس کرو۔ کہتے ہیں کہ ایک مہینہ تو ذوالقعدہ کا تھا اور دس دن ذوالحجہ کے' تو عید والے دن وہ وعدہ پورا ہوا اور اسی دن اللہ کے کلام سے آپ کو شرف ملا اسی دن دین محمدی بھی کامل ہوا ہے۔ جیسے اللہ کا فرمان ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ وعدہ پورا کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کا قصد کیا جیسے اور آیت میں ہے کہ اے گروہ بنی اسرائیل' ہم نے تمہیں دشمن سے نجات دی اور طور ایمن کا وعدہ کیا' آپ نے جاتے ہوئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنایا اور انہیں اصلاح کی اور فساد سے بچنے کی ہدایت کی' یہ صرف بطور وعظ کے تھا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام بھی اللہ کے شریف و کریم اور ذی عزت پیغمبر تھے۔ صلوات اللہ و سلام علیہ و علی سائر۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ
اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ
فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ
جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ
تُبْتُ اِلَیْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس کے رب نے اس سے باتیں کیں، کہنے لگا کہ میرے رب مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں، ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا، اچھا اس پہاڑ کی طرف نظریں اٹھا اگر یہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو تو مجھے دیکھ سکے گا، پھر جب اس کے رب نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو اسے ریزہ ریزہ کر کے زمین دوز کر دیا اور موسیٰ بھی غش کھا کر گر پڑا، ہوش آتے ہی کہنے لگا کہ تیری ذات پاک ہے، تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور تجھ پر ایمان لانے والوں میں اول ہوں ○

طلب زیارت اور موت: ☆☆ (آیت:۱۴۳) وعدے کے مطابق حضرت موسیٰؑ طور پہاڑ پر پہنچے اللہ کا کلام سنا تو دیدار کی آرزو کی، جواب ملا کہ یہ تیرے لئے ناممکن ہے۔ اس سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ کا دیدار نہ ہوگا کیونکہ لن ابدی نفی کے لئے آتا ہے لیکن یہ قول بالکل ہی بودا ہے کیونکہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن اللہ کا دیدار ہوگا۔ وہ احادیث آیت وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور آیت كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ۔ ایک قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ یہ نفی ابدی ہے لیکن دنیاوی زندگی کے لئے ہے نہ کہ آخرت کے لئے بھی، کیونکہ آخرت میں دیدار باری تعالیٰ مومنوں کو قطعاً ہوگا جیسے کہ آیات واحادیث سے ثابت ہے، اس طرح کوئی معارضہ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ آیت مثل لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کے ہے جس کی تفسیر سورۂ انعام میں گزر چکی ہے۔ سابقہ کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست پر ان سے کہا گیا تھا کہ اے موسیٰ مجھے جو زندہ شخص دیکھ لے وہ مر جائے، میرے دیدار کی تاب کوئی زندہ لا نہیں سکتا، خشک چیزیں بھی میری تجلی سے تھرا اٹھتی ہیں، چنانچہ پہاڑ کا حال خود کلیم اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور خود بھی بے ہوش ہو گئے امام ابو جعفر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو وہ چکنا چور ہو گیا، راوی حدیث ابو اسماعیل نے اپنے شاگردوں کو اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا، لیکن اس حدیث کی سند میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام واضح نہیں کیا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انگوٹھے کو اپنی چھنگلیا کی اوپر کی پور پر رکھ کر بتایا کہ اتنے سے جمال سے پہاڑ زمین کے ساتھ ہموار ہو گیا۔ مسند کی روایت میں ہے کہ حمید نے اپنے استاد سے کہا، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ تو استاد نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ حضرت انس بن مالکؓ سے میں نے یہ سنا اور انہوں نے آنحضرت رسول مقبول ﷺ سے۔

ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اور امام صاحبؒ نے اسے حسن صحیح غریب فرمایا ہے۔ مستدرک میں اسے وارد کر کے کہا ہے کہ یہ شرط مسلم پر ہے اور صحیح ہے۔ خلال کہتے ہیں، اس کی سند صحیح ہے، اس میں کوئی علت نہیں۔ ابن مردویہ میں بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن اسکی بھی سند صحیح نہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں صرف بقدر چھنگلی انگلی کے تجلی ہوئی تھی جس سے وہ مٹی کی طرح چور چور ہو گیا اور کلیم اللہ بھی بے ہوش ہو گئے

کہتے ہیں وہ پہاڑ دھنس گیا ۔ سمندر میں چلا گیا اور حضرت موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے ۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں' وہ پہاڑ اب قیامت تک ظاہر نہ ہو گا بلکہ زمین میں اترتا چلا جاتا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے' اس تجلی سے چھ پہاڑ اپنی جگہ سے اڑ گئے جن میں سے تین مکے میں ہیں اور تین مدینے میں' احد' ورقان اور رضوی مدینے میں' حرا' ثبیر اور ثور مکے میں ۔ لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے بلکہ منکر ہے ۔ کہتے ہیں کہ طور پر تجلی کے ظہور سے پہلے پہاڑ بالکل صاف تھے' اس کے بعد ان میں گار اور کھڈ اور شاخیں قائم ہو گئیں' جناب کلیم اللہ کی آرزو کے جواب میں انکار ہوا اور پھر مزید تشفی کے لئے فرمایا گیا کہ میری ادنیٰ سی تجلی کی برداشت تجھ سے تو کیا بہت زیادہ قوی مخلوق میں بھی نہیں' دیکھ پہاڑ کی جانب خیال رکھ' پھر اس پر اپنی تجلی ڈالی جس سے پہاڑ جھک گیا اور موسیٰ بے ہوش ہو گئے' صرف اللہ کی نظر نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا' وہ بالکل مٹی ہو کر ریت کا میدان ہو گیا ۔ بعض قرأتوں میں اسی طرح ہے اور ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے ۔ حضرت موسیٰ کو غشی آ گئی ۔ یہ ٹھیک نہیں کہ موت آ گئی گو لغتہً یہ بھی ہو سکتا ہے جیسے فَصَعِقَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ میں موت کے معنی ہیں' لیکن وہاں قرینہ میں موجود ہے جو اس لفظ سے اسی معنی کے ہونے کی تائید کرتا ہے اور یہاں قرینہ بے ہوشی کی تائید کرتا ہے کیونکہ آگے فرمان ہے ۔ فَلَمَّآ اَفَاقَ ظاہر ہے کہ افاقہ بے ہوشی سے ہوتا ہے ۔ حضرت موسیٰؑ ہوش میں آتے ہی اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور تعظیم و جلال بیان فرمانے لگے کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے کہ کوئی زندہ اس کے جمال کی تاب نہیں لا سکتا' پھر اپنے سوال سے توبہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب بنی اسرائیل سے پہلے میں ایمان لانے والا بنتا ہوں' میں اس پر سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں کہ واقعی کوئی زندہ آنکھ تجھے دیکھ نہیں سکتی ۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے کوئی مومن ہی نہ تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ کا دیدار زندوں کے لئے ناممکن ہے ۔ ابن جریر میں اس آیت کی تفسیر میں محمد بن اسحاق بن یسار کی روایت سے ایک عجیب و غریب مطول اثر نقل کیا گیا ہے عجب نہیں کہ یہ اسرائیلی روایات میں سے ہو' واللہ اعلم ۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک یہودی کو کسی نے ایک تھپڑ مارا تھا' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لایا کہ آپ کے فلاں انصاری صحابی نے مجھے تھپڑ مارا ہے' آپ نے اسے بلوایا اور اس سے پوچھا' اس نے کہا سچ ہے' وجہ یہ ہوئی کہ یہ کہہ رہا تھا' اس اللہ کی قسم ہے جس نے موسیٰؑ کو تمام جہاں پر فضیلت دی تو میں نے کہا' کیا حضرت محمد ﷺ پر بھی؟ اور غصے میں آ کر میں نے اسے تھپڑ مار دیا' آپ نے فرمایا' سنو نبیوں کے درمیان تم مجھے فضیلت نہ دیا کرو' قیامت میں سب بے ہوش ہوں گے' سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایا تھامے ہوئے ہیں' میں نہیں کہہ سکتا کہ انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش ہی نہیں ہوئے؟ یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور مسلم شریف میں بھی ہے اور ابوداؤد میں بھی ہے ۔

بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کا جھگڑا ہو گیا اس پر مسلمان نے کہا' اس کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو تمام جہان پر فضیلت دی اور یہودی نے کہا' اس کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان پر فضیلت دی' اس پر مسلمان نے اسے تھپڑ مارا ۔ اس روایت میں ہے کہ شاید موسیٰؑ ان میں سے ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے استثنا کر لیا ۔ حافظ ابوبکر ابن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ تھپڑ مارنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے' لیکن بخاری و مسلم کی حدیث میں یہ فرمان کہ تم نبیوں کے درمیان مجھے فضیلت نہ دو' ایسا ہی ہے جیسے اور حدیث میں بھی فرمان ہے کہ نبیوں میں مجھے فضیلت نہ دو' نہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت دو یہ فرمان بطور تواضع کے ہے' یا یہ فرمان اس سے پہلے ہے کہ آپ کو اپنی فضیلت کا علم اللہ کی طرف سے ہوا ہو' یا یہ مطلب ہے کہ غصے میں آ کر یا تعصب کی بنا پر مجھے فضیلت نہ دو' یا یہ کہ صرف اپنی رائے سے میری فضیلت قائم نہ کرو ۔ واللہ اعلم لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے' یہ بے ہوشی میدان قیامت کی بعض ہولناکیوں کی وجہ سے ہو گی ۔ واللہ اعلم ۔ بہت ممکن ہے یہ اس وقت کا حال ہو

جب الہ الملك و دیان تبارک وتعالی لوگوں کے درمیان حق فیصلے کرنے کے لئے تشریف لائے گا تو اس کی تجلی سے لوگ بے ہوش ہو جائیں گے' جیسے حضرت موسیٰؑ اللہ کے جمال کی برداشت کوہ طور پر نہ لا سکے۔ اسی لئے آپ کا فرمان ہے کہ نہ معلوم مجھ سے پہلے انہیں افاقہ ہوا یا طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں بے ہوش نہ ہوئے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب الشفا کے شروع میں لکھتے ہیں کہ دیدار الٰہی کی اس تجلی کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چیونٹی کو بھی دیکھ لیا کرتے تھے جو دس فرسخ دور رات کے اندھیرے میں کسی پتھر پر چل رہی ہو اور بہت ممکن ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے' معراج کے واقعہ کے بعد مخصوص ہوئے ہوں اور آپ نے رب کی بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قاضی صاحب کے نزدیک یہ روایت صحیح ہے حالانکہ اس کی سند غور طلب ہے' اس میں مجہول راوی ہیں اور ایسی باتیں جب تک ثقہ راویوں کے سلسلے سے نہ ثابت ہوں قابل قبول نہیں ہوتیں۔ واللہ اعلم۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ میں نے تجھے اور لوگوں سے ممتاز کیا اپنی رسالت کے ساتھ بھی اور اپنے کلام سے بھی پس جو بھی میں نے تجھے عطا فرمایا ہے' لے لے اور شکر گذاروں میں شامل رہ ○ اور ہم نے موسیٰ کے لئے توراۃ کی تختیوں میں ہر طرح کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی اب تو اسے مضبوطی سے پکڑے رہ اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کی عمدہ باتیں مضبوطی سے لئے رہیں' میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کے گھر بھی دکھا دوں گا ○

انبیاء کی فضیلت پر ایک تبصرہ: ☆☆ (آیت:۱۴۴-۱۴۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوہری نعمت آپ کو عطا ہوئی یعنی رسالت اور ہم کلامی۔ مگر چونکہ ہمارے حضرت محمد ﷺ تمام اول و آخر تمام نبیوں کے سردار ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کرنے والا آپ کو بنایا کہ قیامت تک آپ ہی کی شریعت جاری رہے گی اور تمام انبیاء اور رسولوں سے آپ کے تابعدار تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ فضیلت کے اعتبار سے آپ کے بعد سب سے افضل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جو خلیل اللہ ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جو کلیم اللہ تھے۔ اے موسیٰ جو مناجات اور کلام تجھے میں نے دیا ہے' وہ لے لے اور مضبوطی سے اس پر استقامت رکھ اور اس پر جتنا تجھ سے ہو سکے' شکر بجا لایا کر۔ کہا گیا ہے کہ تورات کی تختیاں جواہر کی تھیں اور ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام احکام حلال حرام کے تفصیل کے ساتھ لکھ دیئے تھے' ان ہی تختیوں میں تورات تھی جس کے متعلق فرمان ہے کہ اگلے لوگوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ کو لوگوں کی ہدایت کے لئے کتاب عطا فرمائی۔ یہ بھی مروی ہے کہ تورات سے پہلے یہ تختیاں ملی تھیں واللہ اعلم۔ الغرض دیدار الٰہی جس کی تمنا آپ نے کی تھی' اس کے عوض یہ چیز آپ کو ملی۔ کہا گیا' اسے ماننے کے ارادے سے لے لو اور اپنی قوم کو ان اچھائیوں پر عمل کرنے کی ہدایت کرو' آپ کو زیادہ تاکید ہوئی اور قوم کو ان سے کم' تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری حکم عدولی کرنے والے کا کیا انجام ہوتا ہے؟ جیسے کوئی کسی کو دھمکاتے ہوئے

کہے کہ تم میری مخالفت کا انجام بھی دیکھ لو گے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں شام کے بدکاروں کے گھروں کا مالک بنا دوں گا' یا مراد اس سے فرعونیوں کا ترکہ ہو لیکن پہلی بات ہی زیادہ ٹھیک معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ فرمان تیہہ کے میدان سے پہلے اور فرعون سے نجات پا لینے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ
لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ
هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷ ۶

میں اپنی آیتوں کی سوچ سمجھ سے ان لوگوں کو برگشتہ کئے رہوں گا جو ناحق زمین میں اکڑتے پھرتے ہیں' وہ اگرچہ تمام نشانات دیکھ لیں' انہیں ماننے کے نہیں' راہ راست دیکھ کر اسے راہ نہیں بنانے کے' اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اسے فوراً اپنا مسلک بنا لیتے ہیں' یہ وبال ہے اس بات کا کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پرواہ رہے ○ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے کو نہ مانیں ان کے اعمال غارت ہیں' انہیں بدلہ صرف ان اعمال کا ہی ملے گا جو وہ کرتے رہے ○

تکبر کا پھل محرومی: ☆☆ (آیت: ۱۴۶-۱۴۷) تکبر کا نتیجہ ہمیشہ جہالت ہوتا ہے' ایسے لوگوں کو حق کو سمجھنے' اسے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی' ان کی بے ایمانی کی وجہ سے ان کے دل الٹ جاتے ہیں' آنکھ کان بے کار ہو جاتے ہیں' ان کی کجی ان کے دلوں کو بھی کج کر دیتی ہے۔ علماء کا مقولہ ہے کہ متکبر اور پوچھنے سے جی چرانے والا کبھی عالم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص تھوڑی دیر کے لئے علم کے حاصل کرنے میں اپنے آپ کو دوسرے کے سامنے نہ جھکائے وہ عمر بھر ذلت و رسوائی میں رہتا ہے' متکبر لوگوں کو قرآن کی سمجھ کہاں؟ وہ تو رب کی آیتوں سے بھاگتے رہتے ہیں' اس امت کے لوگ ہوں یا دوسری امتوں کے' سب کے ساتھ اللہ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ تکبر کی وجہ سے حق کی پیروی نصیب نہیں ہوتی۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اگرچہ یہ بڑے بڑے معجزے بھی دیکھ لیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہو گا' گو نجات کے راستے ان پر کھل جائیں لیکن اس راہ پر چلنا ان کے لئے دشوار ہے' ہاں بری راہ سامنے آتے ہی یہ بے طرح اس پر لپکے اس لئے کہ ان کے دلوں میں جھٹلانا ہے اور اپنے اعمال کے نتیجوں سے بے خبر ہیں۔ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں' آخرت کا یقین نہ رکھیں' اسی عقیدے پر مریں ان کے اعمال اکارت ہیں' ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے' بدلہ صرف کئے ہوئے اعمال کا ہی ملتا ہے' بھلے کا بھلا اور برے کا برا' جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا
لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ
وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

موسیٰ کے جانے کے بعد قوم نے قبطیوں کے زیوروں سے بچھڑے کا بے روح ڈھانچہ بنالیا کہ اس کی گائے جیسی آواز تھی' کیا انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نہ تو وہ ان سے بولتا ہے اور نہ انہیں راہ دکھا سکتا ہے' اسے لے بیٹھے تھے اور تھے ہی وہ پورے ظالم ○ اور جب اپنے کیے پر پشیمان ہوئے اور دیکھ لیا کہ وہ بہک گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اب اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو بیشک ہم نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے ○

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا: ☆☆ (آیت: ۱۴۸-۱۴۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے وعدے کے مطابق تورات لینے گئے ادھر فرعونیوں کے جو زیور بنی اسرائیل کے پاس رہ گئے تھے سامری نے انہیں جمع کیا اور اپنے پاس سے اس میں خاک کی مٹھی ڈال دی جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی ٹاپ تلے سے اس نے اٹھالی تھی' اللہ کی قدرت سے وہ سونا گل کر مثل ایک گائے کے جسم کے ہو گیا اور چونکہ کھوکھلا تھا اس میں سے آواز بھی آنے لگی اور وہ بالکل ہو بہو گائے کی سی آواز تھی۔ سامری نے بنی اسرائیل کو بہکا کر اس کی عبادت کرانی شروع کر دی بہت سے لوگ اسے پوجنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰؑ کو اس فتنے کی خبر دی۔ یہ بچھڑا یا تو سچ مچ خون' گوشت کا بن گیا تھا یا سونے کا ہی تھا مگر شکل گائے کی تھی یہ اللہ ہی جانے' بنی اسرائیل تو آواز سنتے ہی ناچنے لگے اور اس پر ریجھ گئے سامری نے کہہ دیا کہ اللہ تو یہی ہے موسیٰ بھول گئے ہیں' انہیں اتنی بھی تمیز نہ آئی کہ وہ اللہ تو کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور کسی نفع نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتا' اس بچھڑے کو اس اللہ کو چھوڑ کر پوجو جو سب کا مالک اور سب کا خالق ہے۔ اس کی وجہ سوائے اندھے پن اور بے عقلی کے اور کیا ہو سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے پھر جب اس محبت میں کمی آئی' آنکھیں کھلیں تو اپنے اس فعل پر نادم ہونے لگے اور یقین کر لیا کہ واقعی ہم گمراہ ہو گئے تو اللہ سے بخشش مانگنے لگے۔ ایک قرات میں تغفر "ت" سے بھی ہے۔ جان گئے کہ اگر معافی نہ ملی تو بڑے نقصان سے دوچار ہو جائیں گے' غرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ سے جھکے اور التجا کرنے لگے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ
وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ۱۸ ع ۸

جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصے اور رنج میں بھرا ہوا لوٹا' کہنے لگا کہ تم نے میرے بعد میری بڑی ہی بری نیابت کی' کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے امر میں جلد بازی

کی اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹنے لگا' اس نے کہا اے میرے ماں جائے بھائی' یہ لوگ مجھے تو کمزور سمجھ کر میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے پس آپ میرے دشمنوں کو مجھ پر نہ ہنسائیں اور میرا شمار بھی ان ظالم لوگوں میں نہ کیجئے ○ موسیٰ کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں لے لے تو تو تمام رحمت کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ○

موسیٰ علیہ السلام کی کوہ طور سے واپسی: ☆☆ (آیت:۱۵۰-۱۵۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ طور پر ہی اپنی قوم کا یہ کفر معلوم ہو چکا تھا اس لئے سخت غضبناک ہو کر واپس آئے اور فرمانے لگے کہ تم نے تو میرے بعد سخت نالائقی کی' تم نے میرا انتظار بھی نہ کیا' میری ذرا سی تاخیر میں یہ ظلم ڈھایا' غصے کے مارے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں- کہا گیا ہے کہ یہ زمرد یا یاقوت یا کسی اور چیز کی تھیں- سچ ہے جو حدیث میں ہے کہ دیکھنا سننا برابر نہیں اپنی قوم پر غصے ہو کر الواح ہاتھ سے گرا دیں' ٹھیک بات یہی ہے- جمہور سلف وخلف کا قول بھی یہی ہے' لیکن ابن جریر نے قتادہ سے ایک عجیب قول نقل کیا ہے جس کی سند بھی صحیح نہیں- ابن عطیہ وغیرہ نے اس کی بہت تردید کی ہے اور واقعی وہ تردید کے قابل بھی ہے- بہت ممکن ہے کہ قتادہ نے یہ اہل کتاب سے لیا ہو اور ان کا کیا اعتبار ہے؟ ان میں جھوٹے' بناوٹ کرنے والے' گھڑ لینے والے' بددین' بے دین ہر طرح کے لوگ ہیں- اس خوف سے کہ کہیں حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں باز رکھنے کی پوری کوشش نہ کی ہو' آپ نے ان کے سر کے بالوں کے بل انہیں گھسیٹ لیا اور فرمانے لگے' انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی تو نے میری ماتحتی میں انہیں کیوں نہ روکا؟ کیا تو بھی میرے فرمان کا منکر بن گیا؟ اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ بھائی جان میرے سر کے اور داڑھی کے بال نہ پکڑیں' میں نے تو ہر ممکن طریقے سے انہیں روکا' زیادہ اس لئے نہ الجھا کہ کہیں آپ یہ نہ فرما دیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی؟ تو نے میرا انتظار کیوں نہ کیا؟ ورنہ میں تو ان گمراہوں سے اب تک زمین کو پاک کر چکا ہوتا' انہوں نے تو مجھے کچھ بھی نہ سمجھا بلکہ میرے قتل کے درپے ہو گئے' آپ مجھے ان ہی کی طرح نہ سمجھیں' نہ ان میں ملائیں-

حضرت ہارونؑ کا یہ فرمانا کہ اے میرے ماں جائے بھائی' یہ صرف اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰؑ کو رحم آ جائے' ماں باپ دونوں کے ایک ہی تھے' جب آپ کو اپنے بھائی ہارون کی برأت کی تحقیق ہو گئی' اللہ کی طرف سے بھی ان کی پاک دامنی اور بے قصوری معلوم ہو گئی کہ انہوں نے اپنی قوم سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ افسوس تم فتنے میں پڑ گئے' اب بھی کچھ نہیں بگڑا' پروردگار بڑا ہی رحیم وکریم ہے' تم میری مان لو اور پھر سے میرے تابعدار بن جاؤ تو آپ اللہ سے دعائیں کرنے لگے- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے' واقعی دیکھنے والے میں اور خبر سننے والے میں بہت فرق ہوتا ہے- قوم کی گمراہی کی خبر سنی تو تختیاں ہاتھ سے نہ گرائیں لیکن اس منظر کو دیکھ کر قابو میں نہ رہے' تختیاں پھینک دیں-

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥٣﴾

یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا' ان پر ان کے رب کا غضب نازل ہو گا ہی اور دنیا کی زندگی کی رسوائی بھی' ہم اسی طرح جھوٹ افترا باندھنے

والوں کو سزا دیتے ہیں ○ ہاں جو لوگ برائیاں کرنے کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو بیشک تیرا رب اس کے بعد بھی بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

باہم قتل کی سزا: ☆☆ (آیت:۱۵۲-۱۵۳) ان گئوسالہ پرستوں پر اللہ کا غضب نازل ہوا' جب تک ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرلیا' ان کی توبہ قبول نہ ہوئی جیسے کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے کہ انہیں حکم ہوا تھا کہ اپنے خالق سے توبہ کرو اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو' یہی تمہارے حق میں ٹھیک ہے' پھر وہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا' وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم والا ہے' اسی طرح دنیا میں بھی ان یہودیوں پر ذلت نازل ہوئی - ہر بدعتی کی جو اللہ کے دین میں جھوٹا طوفان اٹھائے' یہی سزا ہے' رسول کی مخالفت اور بدعت کا بوجھ اس کے دل سے نکل کر ان کے کندھوں پر آ پڑتا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں' گو وہ دنیوی ٹھاٹھ رکھتا ہو لیکن ذلت اس کے چہرے پر برستی ہے' قیامت تک یہی سزا ہر جھوٹے' افترا باز کی اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی ذلیل ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے خواہ کیسا ہی گناہ ہو لیکن توبہ کے بعد وہ معاف فرما دیتا ہے گو کفر و شرک اور نفاق و شقاق ہی کیوں نہ ہو۔ فرمان ہے کہ جو لوگ برائیوں کے بعد توبہ کرلیں اور ایمان لائیں تو اے رسول رحمت اور اپنے نبی نور (یعنی قرآن) تیرا رب اس فعل کے بعد بھی غفور و رحیم ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کاری کرے' پھر اس سے نکاح کرلے تو؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی' کوئی دس دس مرتبہ اسے تلاوت کیا اور کوئی حکم یا منع نہیں کیا۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۚ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾

جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا' اس نے تختیاں اٹھالیں' ان میں جو لکھا ہوا تھا' وہ ہدایت و رحمت تھی ان کے لئے جو اپنے پروردگار سے خوف کھاتے رہتے ہیں ○

امت محمدیہ کے چند خصائل: ☆☆ (آیت:۱۵۴) حضرت موسیٰ کو اپنی قوم پر جو غصہ تھا' جب وہ جاتا رہا تو سخت غصے کی حالت میں جن تختیوں کو انہوں نے زمین پر ڈال دیا تھا' اب اٹھالیں' یہ غصہ صرف اللہ کی راہ میں تھا کیونکہ آپ کی قوم نے بچھڑے کی پوجا کی تھی' ان تختیوں میں ہدایت و رحمت تھی۔ کہتے ہیں کہ جب کلیم اللہ نے تختیاں زمین پر ڈال دیں تو وہ ٹوٹ گئیں' پھر انہیں جمع کیا' تو ان میں رہبری اور رحم پایا اور تفصیل اٹھالی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ ان تختیوں کے ٹکڑے شاہی خزانوں میں بنی اسرائیل کے پاس دولت اسلامیہ کے ابتدائی زمانے تک محفوظ رہے (واللہ اعلم) اس کی صحت کا کوئی پتہ نہیں حالانکہ یہ بات مشہور ہے کہ وہ تختیاں جنتی جوہر کی تھیں۔

اور اس آیت میں ہے کہ پھر حضرت موسیٰؑ نے خود ہی انہیں اٹھالیا اور ان میں رحمت و ہدایت پائی چونکہ رہبت متضمن ہے خشوع و خضوع کو' اس لئے اسے لام سے متعدی کیا قتادہؒ کہتے ہیں' ان میں آپ نے لکھا دیکھا کہ ایک امت تمام امتوں سے بہتر ہوگی جو لوگوں کے لئے قائم کی جائے گی' جو بھلی باتوں کا حکم کرے گی اور برائیوں سے روکے گی' تو حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو یہی امت بنا دے' جواب ملا کہ یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو دنیا میں سب سے آخر آئے گی اور جنت میں سب سے پہلے جائے گی' تو بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا' پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی جس کی وہ تلاوت کریں گے یعنی حفظ کریں گے اور دوسرے لوگ دیکھ کر پڑھتے ہیں۔ اگر ان کی کتابیں اٹھ جائیں تو علم جاتا

رہے کیونکہ انہیں حفظ نہیں' اس طرح کا حافظہ اسی امت کے لئے مخصوص ہے کسی اور امت کو نہیں ملا' اس پر بھی آپ نے یہی درخواست کی اور یہی جواب پایا۔

پھر دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ ایک امت ہوگی جو اگلی پچھلی تمام کتابوں پر ایمان لائے گی اور گمراہوں سے جہاد کرے گی یہاں تک کہ کانے دجال سے جہاد کرے گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر دیکھا کہ ایک امت ہوگی جو اپنے صدقے آپ کھائے گی اور اجر بھی پائے گی حالانکہ اور امتیں جو صدقہ کرتی رہیں' اگر قبول ہوا تو آگ آ کر اسے کھا گئی اور اگر نامقبول ہوا تو اسے درندوں پرندوں نے کھالیا۔ اللہ نے تمہارے صدقے تمہارے مالداروں سے تمہارے مفلسوں کے لئے لئے ہیں۔ اس پر بھی کلیم اللہ علیہ السلام نے یہی دعا کی اور یہی جواب ملا۔ پھر پڑھا کہ ایک امت ہوگی جس کا رکن اگر نیکی کا ارادہ کر لے پھر نہ کرے تو بھی نیکی لکھ لی جائے گی اور اگر کر بھی لی تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سات سو تک اسی طرح بڑھتی چلی جائیں گی۔ اس پر بھی آپ نے یہی دعا کی اور یہی جواب پایا۔ پھر ان تختیوں میں آپ نے پڑھا کہ ایک امت ہوگی جو خود بھی شفاعت کرے گی اور ان کی شفاعت دوسرے بھی کریں گے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی کہ اے اللہ یہ مرتبہ میری امت کو دے۔ جواب ملا یہ امت امت احمد ہے (ﷺ) ہے' اس پر آپ نے تختیاں لے لیں اور کہنے لگے اے اللہ مجھے امت احمد میں کر دے۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِىَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾

موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ہمارے وعدے کی حاضری کے لئے ستر شخص چھانٹ لئے' پھر جب انہیں زلزلے نے پکڑ لیا تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار اگر تیری یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا' ہم میں سے بعض احمق لوگوں کے کئے ہوئے کاموں پر کیا تو ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ حادثہ تو صرف تیری طرف کا ایک امتحان ہے' اس سے جسے تو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت پر لے آئے' تو ہی ہمارا کارساز ہے' پس ہمارے قصور معاف فرما' اور ہم پر مہربانی فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے O

موسیٰ علیہ السلام کی طور پر واپسی: ☆☆ (آیت:۱۵۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب فرمان الٰہی اپنی قوم سے ستر شخصوں کو منتخب کیا اور جناب باری سے دعائیں مانگنا شروع کیں' لیکن یہ لوگ اپنی دعا میں حد سے تجاوز کر گئے کہنے لگے' اللہ تو ہمیں وہ دے جو نہ ہم سے پہلے کسی کو دیا ہو نہ ہمارے بعد کسی کو دے' یہ دعا اللہ تعالیٰ کو ناپسند آئی اور ان پر بھونچال آ گیا' جس سے گھبرا کر حضرت موسیٰؑ اللہ سے دعائیں کرنے لگے۔ سدیؒ کہتے ہیں' انہیں لے کر آپ اللہ تعالیٰ سے بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی کی معذرت کرنے کے لئے گئے تھے' یہاں جب وہ پہنچے تو کہنے لگے' ہم تو جب تک خود اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' ایمان نہ لائیں گے' ہم کلام سن رہے ہیں لیکن دیکھنا چاہتے ہیں' اس پر کڑاکے کی آواز ہوئی اور یہ سب مرکھپ گئے' حضرت موسیٰؑ نے رونا شروع کیا کہ اللہ میں بنی اسرائیل کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ ان کے یہ بہترین

لوگ تھے اگر تیری یہی منشا تھی تو اس سے پہلے ہی ہمیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

امام محمد بن اسحاقؒ کا قول ہے کہ انہیں اس بت پرستی سے توبہ کرنے کے لئے بطور وفد کے آپ لے چلے تھے ان سے فرما دیا تھا کہ پاک صاف ہو جاؤ' پاک کپڑے پہن لو اور روزے سے چلو' یہ اللہ کے بتائے ہوئے وقت پر طور سینا پہنچے' مناجات میں مشغول ہوئے تو انہوں نے خواہش کی کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم بھی اللہ کا کلام سنیں' آپ نے دعا کی' جب حسب عادت بادل آیا اور موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھ گئے اور بادل میں چھپ گئے' قوم سے فرمایا تم بھی قریب آ جاؤ' یہ بھی اندر چلے گئے اور حسب معمول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی پر ایک نور چمکنے لگا جو اللہ کے کلام کے وقت برابر چمکتا رہتا تھا' اس وقت کوئی انسان آپ کے چہرے پر نگاہ نہیں ڈال سکتا تھا' آپ نے حجاب کر لیا' لوگ سب سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا کلام شروع ہوا جو یہ لوگ بھی سن رہے تھے کہ فرمان ہو رہا ہے کہ یہ کر یہ نہ کر وغیرہ' جب باتیں ہو چکیں اور ابر اٹھ گیا تو ان لوگوں نے کہا' ہم تو جب تک اللہ کو خود خوب ظاہر نہ دیکھ لیں' ایمان نہیں لائیں گے تو ان پر کڑاکا نازل ہوا اور سب کے سب ایک ساتھ مر گئے' موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے اور مناجات شروع کر دیں' اس میں یہاں تک کہا کہ اگر ہلاک ہی کرنا تھا تو اس سے پہلے ہلاک کیا ہوتا ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو اور شبر اور شبیر کو لے کر پہاڑ کی گھاٹی میں گئے' ہارون ایک بلند جگہ کھڑے تھے کہ ان کی روح قبض کر لی گئی' جب آپ واپس بنی اسرائیل کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ چونکہ آپ کے بھائی بڑے ملنسار اور نرم آدمی تھے' آپ نے ہی انہیں الگ لے جا کر قتل کر دیا' اس پر آپ نے فرمایا' اچھا تم اپنے میں سے ستر آدمی چھانٹ کر میرے ساتھ کر دو' انہوں نے کر دیئے جنہیں لے کر آپ گئے اور حضرت ہارونؑ کی لاش سے پوچھا کہ آپ کو کس نے قتل کیا؟ اللہ کی قدرت سے وہ بولے کسی نے نہیں بلکہ میں اپنی موت مرا ہوں' انہوں نے کہا' بس موسیٰؑ اب سے آپ کی نافرمانی ہرگز نہ کی جائے گی' اسی وقت زلزلہ آیا جس سے وہ سب مر گئے' اب تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت گھبرائے دائیں بائیں گھومنے لگے اور وہ عرض کرنے لگے جو قرآن میں مذکور ہے' پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی التجا قبول کر لی' ان سب کو زندہ کر دیا اور بعد میں وہ سب انبیاء بنے لیکن یہ اثر بہت ہی غریب ہے' اس کا ایک راوی عمارہ بن عبد غیر معروف ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ان پر اس زلزلے کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ بچھڑے کی پرستش کے وقت خاموش تھے' ان پجاریوں کو روکتے نہ تھے' اس قول کی دلیل میں حضرت موسیٰ کا یہ فرمان بالکل ٹھیک اترتا ہے کہ اے اللہ ہم میں سے چند بیوقوفوں کے فعل کی وجہ سے تو ہمیں ہلاک کر رہا ہے؟ پھر فرماتے ہیں' یہ تو تیری طرف کی آزمائش ہی ہے' تیرا ہی حکم چلتا ہے اور تیری ہی چاہت کامیاب ہے' ہدایت و ضلالت تیرے ہی ہاتھ ہے' جس کو تو ہدایت دے' اسے کوئی بہکا نہیں سکتا اور جسے تو بہکائے' اس کی کوئی رہبری نہیں کر سکتا' تو جس سے روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا اور جسے دے دے اس سے کوئی چھین نہیں سکتا' ملک کا مالک تو اکیلا' حکم کا حاکم صرف تو ہی' خلق و امر تیرا ہی ہے' تو ہمارا ولی ہے' ہمیں بخش' ہم پر رحم فرما' تو سب سے اچھا معاف فرمانے والا ہے۔

غفر کے معنی ہیں چھپا دینا اور پکڑ نہ کرنا۔ جب رحمت بھی اس کے ساتھ مل جائے تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ آئندہ اس گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ گناہوں کا بخش دینے والا صرف تو ہی ہے' پس جس چیز سے ڈر تھا' اس کا بچاؤ طلب کرنے کے بعد اب مقصود حاصل کرنے کے لئے دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما' اسے ہمارے نام لکھ دے' واجب و ثابت کر دے۔ حسنہ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں' رغبت ہماری تیری ہی جانب ہے' ہماری توبہ اور عاجزی تیری طرف ہے۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ چونکہ انہوں نے ھدنا کہا تھا' اس لئے انہیں یہودی کہا گیا ہے' لیکن اس روایت کی سند میں جابر بن یزید جعفی ہیں جو ضعیف ہیں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۱۵۶

تو ہمارے لئے اس دنیا کی بہتری لکھ دے اور آخرت کی بھی' ہم سب تیری طرف رجوع ہو رہے ہیں- جناب باری کا ارشاد ہوا کہ میں اپنے عذاب تو صرف انہیں ہی پہنچاتا ہوں جنہیں چاہوں' ہاں میری رحمت نے تمام چیزوں کو سما لیا ہے' پس میں اسے خصوصیت کے ساتھ ان کے نام لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کریں' زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر یقین اور ایمان رکھیں O

اللہ تعالی کی رحمت اور انسان : ☆☆ (آیت:۱۵۶) چونکہ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ یہ محض تیری طرف سے آزمائش ہے' اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب تو صرف گنہگاروں کو ہی ہوتا ہے اور گنہگاروں میں سے بھی انہی کو جو میری نگاہ میں گنہگار ہیں نہ کہ ہر گنہگار کو' میں اپنی حکمت' عدل اور پورے علم کے ذریعے سے جانتا ہوں کہ مستحق عذاب کون ہے؟ صرف اسی کو عذاب پہنچاتا ہے- ہاں البتہ میری رحمت بڑی وسیع چیز ہے جو سب پر شامل' سب پر حاوی اور سب پر محیط ہے-

چنانچہ عرش کے اٹھانے والے اور اس کے اردگرد رہنے والے فرشتے فرماتے رہا کرتے ہیں کہ اے رب تو نے اپنی رحمت اور اپنے علم سے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے- مسند امام احمد میں ہے کہ ایک اعرابی آیا' اونٹ بٹھا کر اسے باندھ کر نماز میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا- نماز سے فارغ ہو کر اونٹ کو کھول کر اس پر سوار ہو کر اونچی آواز سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم کر اور اپنی رحمت میں کسی اور کو ہم دونوں کا شریک نہ کر' آپ یہ سن کر فرمانے لگے' بتاؤ یہ خود راہ گم کردہ ہونے میں بڑھا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا بھی اس نے کیا کہا؟ صحابہؓ نے عرض کیا' ہاں حضور سن لیا' آپ نے فرمایا' اے شخص تو نے اللہ کی بہت ہی کشادہ رحمت کو بہت تنگ چیز سمجھ لیا' سن اللہ تعالی نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک حصہ مخلوق میں اتارا جو تمام مخلوق میں تقسیم ہوا یعنی انسان' حیوان' جنات سب میں اور ننانوے حصے اپنے لئے باقی رکھے- لوگو بتاؤ یہ زیادہ راہ بہکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ مسند کی اور حدیث میں ہے' اللہ عزوجل نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے صرف ایک ہی حصہ دنیا میں اتارا' اسی سے مخلوق ایک دوسرے پر ترس کھاتی ہے اور رحم کرتی ہے' اسی سے حیوان بھی اپنی اولاد کے ساتھ نرمی اور رحم کا برتاؤ کرتے ہیں' باقی ننانوے حصے تو اس کے پاس ہی ہیں جن کا اظہار قیامت کے دن ہو گا- اور روایت میں ہے کہ روز قیامت اسی (ایک) حصے کے ساتھ اور (بقایا) ننانوے حصے جو موخر ہیں' ملا دیئے جائیں گے-

ایک اور روایت میں ہے اسی نازل کردہ ایک حصے میں پرند بھی شریک ہیں- طبری میں ہے' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جو اپنے دین میں فاجر ہے' جو اپنی معاش میں احمق ہے' وہ بھی اس میں داخل ہے' اس کی قسم جو میری جان اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے' وہ بھی جنت میں جائے گا جو مستحق جہنم ہو گا' اس کی قسم جس کے قبضے میں میری روح ہے' قیامت کے دن اللہ کی رحمت کے کرشمے دیکھ کر ابلیس بھی امیدوار ہو کر ہاتھ پھیلا دے گا- یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کا راوی سعد غیر معروف ہے- پس میں اپنی اس رحمت کو ان کے لئے واجب کر دوں گا اور یہ بھی محض اپنے فضل و کرم سے- جیسے فرمان ہے تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے' پس جن پر

رحمت واجب ہو جائے گی' ان کے اوصاف بیان فرمائے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے امت محمد (ﷺ) ہے جو تقوٰی کریں یعنی شرک سے اور کبیرہ گناہوں سے بچیں' زکوۃ دیں یعنی اپنے ضمیر کو پاک رکھیں اور مال کی زکوۃ بھی ادا کریں (کیونکہ یہ آیت مکی ہے) اور ہماری آیات کو مان لیں' ان پر ایمان لائیں اور انہیں سچ سمجھیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹ / ٦

جو اس پیغمبر نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کے اوصاف اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھے ہوئے پاتے ہیں' جو انہیں اچھائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان پر حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے ان کے بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے' پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی عزت اور مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا' وہی کامیاب نجات یافتہ ہیں ○

اہل کتاب کی خاتم النبین ؐ کی تصدیق: ☆☆ (آیت:۱۵۷) سابقہ کتابوں میں آخری پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جو اوصاف بیان ہوئے تھے' جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے' وہ بیان ہو رہے ہیں' سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جانا۔ مسند احمد میں ہے' ایک صاحب فرماتے ہیں' میں کچھ خرید وفروخت کا سامان لے کر مدینے آیا' جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں' میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا' آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے' اس کا نوجوان' خوبصورت' تنومند بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا' آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے' کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا' اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے' ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالٰی ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں' آپ نے فرمایا' اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ' پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی مستدرک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اموی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کے لئے روانہ ہوئے' غوطہ دمشق میں پہنچ کر ہم جبلہ بن ایہم غسانی کے ہاں گئے' اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں' ہم نے کہا' واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے' ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں' اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں' ورنہ ہم قاصدوں

سے گفتگو کرنا نہیں چاہتے' قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی' اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا۔

چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی' وہ اس وقت سیاہ لباس پہنے ہوئے تھا' کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور حلف اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا' اس سیاہ لبادے کو نہ اتاروں گا' قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا' بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑے بادشاہ کا پائے تخت بھی ان شاء اللہ عنقریب ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے' یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ پختہ خبر مل چکی ہے' اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں' ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج وہ قوم چھینے گی جو دنوں کو روزے سے رہتے ہوں اور راتوں کو تہجد پڑھتے ہوں' اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا' اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا' انہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ۔ جب ہم اس کے پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے' اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں' ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو' ہم نے کہا ناممکن ہے' ہم تو اسی حالت میں انہی سواریوں پر چلیں گے۔ اس نے بادشاہ سے کہلوا بھیجا' وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ۔ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گلے میں تلواریں لٹکائے شاہی محل کے پاس پہنچے' وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں' بادشاہ دریچے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا' ہمارے منہ سے بے ساختہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو' اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو' چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے' دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مخمل اور سرخ ریشم ہے' خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے' تمام دربار پادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے' جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا' جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے' تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے' اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے' وہ ہمیں پسند نہیں' اس نے کہا' اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام 'علیکم اس نے کہا' اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں' ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں' بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر' اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا' ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سار ادربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو' تمہارے گھر بھی اسی طرح زلزلے میں آ جاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں' ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے' بادشاہ کہنے لگا کہ کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا' ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا' ہم نے صاف بتایا' اس نے کہا' اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتا دیں' اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب گذرے تو رات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا' ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا' پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کنجی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا' ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت خوبصورت لمبے لمبے ہیں ہم سے پوچھا

انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں کہا یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔

پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگریالے بال تھے' سرخ رنگ آنکھیں تھیں' بڑے کلے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی' ہم سے پوچھا' انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا' نہایت ہی گوار چٹا رنگ' بہت خوبصورت آنکھیں' کشادہ پیشانی' لمبے رخسار' سفید داڑھی' یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں' ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں' پھر ایک دروازہ کھولا' اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی' ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم' یہ کہا اور ہمارے آنسو نکل آئے' بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا' اب وہ بیٹھ گیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے' ہم نے کہا واللہ یہی ہے اس طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے' پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھتا رہا' پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آخری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ تمہیں آزمالوں کہ تم پہچان جاتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیاہ رنگ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں نرم والی صورت تھی' بال گھنگھریالے آنکھیں گہری' نظریں تیز' تیور تیکھے' دانت پر دانت' ہونٹ موٹے ہو رہے تھے جیسے کہ غصے میں بھرے ہوئے ہیں' ہم سے پوچھا' انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا' بادشاہ نے کہا' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں' اسی کے متصل ایک اور صورت تھی جو قریب قریب اسی کی سی تھی' مگر ان کے سر کے بال گویا تیل لگے ہوئے تھے' ماتھا کشادہ تھا' آنکھوں میں کچھ فراخی تھی' ہم سے پوچھا' انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا' یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گوں رنگ' میانہ قد' سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک تھے پوچھا انہیں پہچانا' ہم نے کہا' نہیں کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنہرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد طویل نہ تھا رخسار ہلکے تھے' چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشمی کپڑا نکال کر ہمیں دکھایا' اس میں جو صورت تھی وہ پہلی صورت کے بالکل مشابہ تھی مگر ان کے ہونٹ پر تل تھا' ہم سے پوچھا اسے پہچان لیا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ کا ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی' سفید رنگ' خوبصورت اونچی ناک والے' اچھے قامت والے' نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا' رنگ سرخی مائل سفید تھا' پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا' پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ' بھری پنڈلیاں' کشادہ آنکھیں' اونچا پیٹ قدرے چھوٹا قد تلوار لٹکائے ہوئے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں۔

پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رانوں والی لمبے پیروں والی گھڑ سوار' پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیاہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی'

سفید رنگ نوجوان' سخت سیاہ داڑھی' بہت زیادہ بال' خوشنما آنکھیں' خوبصورت چہرہ' پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں' کہا یہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں- ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں' کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا' بادشاہ نے جواب دیا' بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں' ان سب کو آپ کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا' محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں پھر بادشاہ کہنے لگا کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں' میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا- پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور فرمانے لگے' اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گذرتا' ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں-

یہ روایت امام بیہقیؒ کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی ہے' اس کی اسناد بھی خوف وخطر سے خالی ہے- حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں' میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفتیں تورات میں ہوں' وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا' ہاں واللہ آپ کی صفتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے' آپ میرے بندے اور رسول ہیں' آپ کا نام متوکل ہے' آپ بدگو اور بدخلق نہیں ہیں- اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے' بند دلوں کو کھول دے گا' بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا' اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا' یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے- حضرت عطاؒ فرماتے ہیں' پھر میں حضرت کعبؒ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا' ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی' یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے- بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں' یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور وغل کرنے والے نہیں' آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں- عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے' اس کے مشابہ اور بھی روایات ہیں- واللہ اعلم طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا' وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی' اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں' اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لوگے؟ میں نے کہا ضرور' چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضورؐ کی کوئی شبیہ نہ آئی' اسی وقت ایک اور عالم آیا' ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا' وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے' میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا' اس کے بعد بھی نبی آیا' لیکن اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں- اس کے پیچھے کا یہ شخص اس کا خلیفہ ہے اب جو میں نے غور سے دیکھا تو وہ بالکل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل تھی-

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے موذن اقرع کو ایک پادری کے پاس بھیجا' آپ اسے بلا لائے'

امیر المومنین نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم میری صفت اپنی کتابوں میں پاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' کہا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ قرن' آپ نے کوڑا اٹھا کر فرمایا قرن کیا ہے؟ اس نے کہا گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہے' وہ امیر ہے' دین میں بہت سخت' فرمایا' اچھا میرے بعد والے کی صفت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خلیفہ تو وہ نیک صالح ہے لیکن اپنے قرابت داروں کو وہ دوسروں پر ترجیح دے گا' آپ نے فرمایا' اللہ عثمان پر رحم کرے' تین بار یہ فرمایا' پھر فرمایا' اچھا ان کے بعد؟ اس نے کہا لوہے کے ٹکڑے جیسا' حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا اور افسوس کرنے لگے' اس نے کہا اے امیر المومنین ہوں گے تو وہ نیک خلیفہ' لیکن بنائے ہی اس وقت جائیں گے جب تلوار کھچی ہوئی ہو اور خون بہہ رہا ہو (ابوداؤد) ان کتابوں میں آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بھی تھی کہ آپ نیکیوں کا حکم دیں گے۔ برائیوں سے روکیں گے۔ فی الواقع آپ ایسے ہی تھے۔ کونسی بھلائی ہے جس کا آپ نے حکم نہ دیا ہو؟ کونسی برائی ہے جس سے آپ نے نہ روکا ہو؟ جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں' تم جب قرآن کے یہ لفظ سنو کہ اے ایمان والو' تو اسی وقت ہمہ تن گوش ہو جاؤ کیونکہ یا تو کسی خیر کا تمہیں حکم کیا جائے گا یا کسی شر سے تمہیں بچایا جائے گا۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید اللہ کی وحدانیت کی تھی جس کا حکم برابر ہر نبی کو ہوتا رہا۔ قرآن شاہد ہے کہ ہر امت کے رسول کو پہلا حکم یہی ملا کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کسی کی عبادت نہ کرو مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جب تم میری کسی حدیث کو سنو جسے تمہارے دل پہچان لیں' تمہارے جسم اس کی قبولیت کے لئے تیار ہو جائیں اور تمہیں یہ معلوم ہو کہ وہ میرے لائق ہے' تو میں اس سے بہ نسبت تمہارے زیادہ لائق ہوں اور جب تم میرے نام سے کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہارے دل انکار کریں اور تمہارے جسم نفرت کریں اور تم دیکھو کہ وہ تم سے بہت دور ہے' پس میں بہ نسبت تمہارے بھی اس سے بہت دور ہوں اس کی سند بہت پکی ہے۔

اس کی ایک اور روایت میں حضرت علیؓ کا قول ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ سے منقول کوئی حدیث سنو تو اس کے ساتھ وہ خیال کرو جو خوب راہ والا' بہت مبارک اور بہت پرہیزگاری والا ہو۔ پھر حضورؐ کی ایک صفت بیان ہو رہی ہے کہ آپ کل پاک صاف اور طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں' بہت سی چیزیں ان میں ایسی تھیں جنہیں لوگوں نے از خود حرام قرار دے لیا تھا' جیسے جانوروں کو بتوں کے نام کر کے نشان ڈال کر انہیں حرام سمجھنا وغیرہ اور خبیث اور گندی چیزیں آپ لوگوں پر حرام کرتے ہیں' جیسے سور کا گوشت سود وغیرہ اور جو حرام چیزیں لوگوں نے از خود حلال کر لی تھیں بعض علماء کا فرمان ہے کہ اللہ کی حلال چیزیں کھاؤ' وہ دین میں بھی ترقی کرتی ہیں اور بدن میں بھی فائدہ پہنچاتی ہیں اور جو چیزیں حرام کر دی ہیں' ان سے بچو کیونکہ ان سے دین کے نقصان کے علاوہ صحت میں بھی نقصان ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ چیزوں کی اچھائی برائی دراصل عقلی ہے' اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں لیکن یہ جگہ اس کے بیان کی نہیں۔ اسی آیت کو زیر نظر رکھ کر بعض اور علماء نے کہا ہے کہ جن چیزوں کا حلال حرام ہونا کسی کو نہ پہنچا ہو اور کوئی آیت یا حدیث اس کے بارے میں نہ ملی ہو تو دیکھنا چاہئے کہ عرب اسے اچھی چیز سمجھتے ہیں یا اس سے کراہت کرتے ہیں' اگر اسے اچھی چیز جان کر استعمال میں لاتے ہیں تو حلال ہے اور اگر بری چیز سمجھ کر نفرت کر کے اسے نہ کھاتے ہوں تو وہ حرام ہے اس اصول میں بھی بہت کچھ گفتگو ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ آپ بہت صاف' آسان اور سہل دین لے کر آئیں گے' چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میں ایک طرف آسان دین دے کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضور ﷺ یمن کا امیر بنا کر بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں' تم دونوں خوش خبری دینا' نفرت نہ دلانا' آسانی کرنا' سختی نہ کرنا' مل کر رہنا' اختلاف نہ کرنا۔ آپ کے صحابی ابو برزہ اسلمیؓ فرماتے ہیں' میں حضورؐ کے ساتھ رہا ہوں اور آپ کی آسانیوں کا خوب مشاہدہ کیا ہے پہلی امتوں میں بہت سختیاں تھیں' لیکن پروردگار عالم نے اس امت سے

وہ تمام تنگیاں دور فرما دیں' آسان دین اور سہولت والی شریعت انہیں عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' میری امت کے دلوں میں جو وسوسے گذریں' ان پر انہیں پکڑ نہیں جب تک کہ زبان سے نہ نکالیں یا عمل نہ لائیں فرماتے ہیں' میری امت کی بھول چوک اور غلطی سے اور جو کام ان سے جبراً کئے کرائے جائیں' ان سے اللہ تعالیٰ نے قلم اٹھالیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس امت کو خود اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم فرمائی کہ کہو کہ اے ہمارے پروردگار' تو ہماری بھول چوک پر ہماری پکڑ نہ کر' اے ہمارے رب' ہم پر وہ بوجھ نہ لاؤ جو ہم سے پہلوں پر تھا' اے ہمارے رب ہمیں ہماری طاقت سے زیادہ بوجھل نہ کر' ہمیں معاف فرما' ہمیں بخش' ہم پر رحم فرما' تو ہی ہمارا کارساز مولیٰ ہے' پس ہمیں کافروں پر مدد عطا فرما۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمانوں نے یہ دعائیں کیں تو ہر جملے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میں نے یہ قبول فرمایا پس جو لوگ اس نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کا ادب عزت کریں اور جو وحی آپ پر اتری ہے' اس نور کی پیروی کریں وہی دنیا و آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اعلان کر دے کہ اے لوگو میں تم سب کی جانب اس اللہ کا رسول ہوں' جس کے قبضے میں آسمان و زمین کی بادشاہت ہے' جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں' وہی جلاتا اور مارتا ہے' پس تم سب اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو اس پر اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور تم اسی کی پیروی کرو تاکہ راہ راست پاؤ ○

النبی العالم اور النبی الخاتم ﷺ: ☆☆ (آیت:۱۵۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ تمام عرب و عجم کے گوروں کالوں سے کہہ دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ آپ کی شرافت و عظمت ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور تمام دنیا کے لئے صرف آپ ہی نبی ہیں۔ جیسے فرمان قرآن ہے قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ یعنی اعلان کر دے کہ مجھ میں اور تم میں اللہ گواہ ہے' اس پاک قرآن کی وحی میری جانب اس لئے اتاری گئی ہے کہ میں اس سے تمہیں اور جن لوگوں تک یہ پہنچے' سب کو ہوشیار کر دوں۔ اور آیت میں ہے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ یعنی مخلوق کے مختلف گروہ میں سے جو بھی آپ کا انکار کرے' اس کی وعدہ گاہ جہنم ہے۔

اور آیت میں ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ یعنی اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے کہہ دو کہ کیا تم مانتے ہو؟ اگر تسلیم کر لیں مسلمان ہو جائیں تو راہ پر ہیں ورنہ تیرے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہی ہے۔ اس مضمون کی اور بھی قرآنی آیات بکثرت ہیں اور احادیث تو اس بارے میں بے شمار ہیں۔ دین اسلام کی ذرا سی بھی سمجھ جسے ہے' وہ بالیقین جانتا اور مانتا ہے کہ آپ تمام جہان کے لوگوں کی طرف رسول اللہ ہیں (ﷺ) اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں ہے کہ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کچھ چشمک ہو گئی' حضرت صدیقؓ نے حضرت فاروقؓ کو ناراض کر دیا حضرت فاروقؓ اسی حالت میں چلے گئے حضرت صدیقؓ نے درخواست کی کہ آپ معاف فرمائیں اور اللہ سے میرے لئے بخشش چاہیں' لیکن حضرت

عمرؓ راضی نہ ہوئے بلکہ کواڑ بند کر لئے' آپ لوٹ کر دربار محمدی میں آئے' اس وقت اور صحابی بھی حضورؐ کی مجلس میں موجود تھے' آپ نے فرمایا' تمہارے اس ساتھی نے انہیں ناراض اور غضبناک کر دیا' حضرت عمرؓ حضرت صدیقؓ کی واپسی کے بعد بہت ہی نادم ہوئے اور اسی وقت دربار رسالت ماب میں حاضر ہو کر تمام بات کہہ سنائی' حضورؐ ناراض ہوئے' ابو بکر صدیقؓ بار بار کہتے جاتے تھے کہ یارسول اللہ' زیادہ ظلم تو مجھ سے سرزد ہوا ہے' حضورؐ نے فرمایا' کیا تم میرے ساتھی کو میری وجہ سے چھوڑتے نہیں؟ سنو جب میں نے اس آواز حق کو اٹھایا کہ لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں' تو تم نے کہا تو جھوٹا ہے' لیکن اس ابو بکرؓ نے کہا' آپ سچے ہیں مسند امام احمد میں ہیں ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں' یاد رہے کہ میں اسے فخراً نہیں کہتا' میں تمام سرخ و سیاہ لوگوں کی جانب بھیجا گیا ہوں اور میری مدد مہینے بھر کے فاصلے سے صرف رعب کے ساتھ کی گئی ہے اور میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں' حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے' وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیز بنا دی گئی ہے اور مجھے اپنی امت کی شفاعت عطا فرمائی گئی ہے' جسے میں نے ان لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ' دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ غزوہ تبوک والے سال رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے' پس بہت سے صحابہ آپ کے پیچھے جمع ہو گئے کہ آپ کی چوکیداری کریں' نماز کے بعد آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا' اس رات مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے اور کسی کو نہیں دی گئیں (۱) میں تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' مجھ سے پہلے کے تمام رسول صرف اپنی اپنی قوم کی طرف ہی نبی بنا کر بھیجے جاتے رہے (۲) مجھے اپنے دشمنوں پر رعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے' گو وہ مجھ سے مہینے بھر کے فاصلے پر ہوں وہیں وہ مرعوب ہو جاتے ہیں (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کئے گئے ہیں' حالانکہ مجھ سے پہلے کے لوگ ان کی بہت عظمت کرتے تھے' وہ اس مال کو جلا دیا کرتے تھے (۴) اور میرے لئے ساری زمین مسجد اور وضو کی پاک چیزیں بنا دی گئی ہیں' جہاں کہیں میرے امتی کو نماز کا وقت آ جائے' وہ تیمم کر لے اور نماز ادا کر لے' مجھ سے پہلے کے لوگ اس کی عظمت کرتے تھے' سوائے ان جگہوں کے جو نماز کے لئے مخصوص تھیں اور جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مجھ سے فرمایا گیا' آپ دعا کیجئے' مانگئے کیا مانگتے ہیں؟ ہر نبی مانگ چکا ہے تو میں نے اپنے اس سوال کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے' پس وہ تم سب کے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے اس کی اسناد بہت پختہ ہے اور مسند احمد میں یہ حدیث موجود ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ میری اس امت میں سے جس یہودی یا نصرانی کے کان میں میرا ذکر پڑے اور وہ مجھ پر ایمان نہ لائے' وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ یہ حدیث دوسری سند سے صحیح مسلم شریف میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' میرا ذکر اس امت کے جس یہودی نصرانی کے پاس پہنچے اور وہ مجھ پر اور میری وحی پر ایمان نہ لائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ مسند کی ایک اور حدیث میں آپ نے ان پانچوں چیزوں کا ذکر فرمایا جو صرف آپ کو ہی ملی ہیں' پھر فرمایا' ہر نبی نے شفاعت کا سوال کر لیا ہے اور میں نے اپنے سوال کو چھپا رکھا ہے اور ان کے لئے اٹھا رکھا ہے جو میری امت میں سے توحید پر مرے یہ حدیث جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہیں دی گئیں' مہینے بھر کی مسافت تک رعب سے' امداد و نصرت' ساری زمین کا مسجد و طہور ہونا کہ میری امت کو جہاں وقت نماز آ جائے' ادا کر لے' غنیموں کا حلال کیا جانا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں' شفاعت کا دیا جانا' تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا جانا' حالانکہ پہلے کے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف ہی بھیجے جاتے تھے۔

پھر فرماتا ہے کہ کہو مجھے اس اللہ نے بھیجا ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے' سب چیزوں کا خالق مالک ہے' جسکے ہاتھ میں ملک ہے' جو مارنے جلانے پر قادر ہے' جس کا حکم چلتا ہے' پس اے لوگو تم اللہ پر اور اس کے رسول و نبی پر ایمان لاؤ جو ان پڑھ ہونے کے باوجود دنیا کو پڑھا رہے ہیں' انہی کا تم سے وعدہ تھا اور ان ہی کی بشارت تمہاری کتابوں میں بھی ہے' انہی کی صفتیں اگلی کتابوں میں ہیں' یہ خود اللہ کی ذات پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں' قول و فعل سب میں اللہ کے کلام کے مطیع ہیں' تم سب ان کے ماتحت اور فرمانبردار ہو جاؤ' انہی کے طریقے پر چلو اور انہی کی فرمانبرداری کرو' تم راہ راست پر آ جاؤ گے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ (۱۵۹)

قوم موسیٰ میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق کی رہبری کرتی ہے اور حق کے ساتھ انصاف و عدل کرتی ہے ○

انبیاء کا قاتل گروہ: ☆☆ (آیت:۱۵۹) اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ امت موسیٰ میں بھی ایک گروہ حق کا ماننے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ الخ اہل کتاب میں سے ایک جماعت حق پر قائم ہے' راتوں کو اللہ کے کلام کی تلاوت کرتی رہتی ہے اور برابر سجدے کیا کرتی ہے۔ اور آیت میں ہے وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو ان کی طرف اتارا گیا ہے' ایمان لاتے ہیں' اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں' اللہ کی باتوں کو دینوی نفع کی خاطر فروخت نہیں کرتے' ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے' اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ الخ جنہیں ہم نے اس قرآن سے پہلے اپنی کتاب دی ہے' وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں' اس کی آیات سن کر اپنے ایمان کا اور اس کی حقانیت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس سے پہلے ہی مسلمان تھے' انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر ہے۔

اور آیت میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ الخ جو لوگ ہماری کتاب ہوئے ہیں اور اسے حق تلاوت کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتے ہیں' وہ اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور فرمان ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ جو لوگ پہلے علم دیئے گئے ہیں وہ ہمارے پاک قرآن کی آیات سن کر سجدوں میں گر پڑتے ہیں' ہماری پاکیزگی کا اظہار کر کے ہمارے وعدوں کی سچائی بیان کرتے ہیں' اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدے کرتے ہیں اور عاجزی اور اللہ سے خوف کھانے میں سبقت لے جاتے ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس جگہ ایک عجیب خبر لکھی ہے کہ ابن جریج فرماتے ہیں' جب بنی اسرائیل نے کفر کیا اور اپنے نبیوں کو قتل کیا' ان کے بارہ گروہ تھے' ان میں سے ایک گروہ اس نالائق گروہ سے الگ رہا' اللہ تعالیٰ سے معذرت کی اور دعا کی کہ ان میں اور ان گیارہ گروہ میں وہ تفریق کر دے' چنانچہ زمین میں ایک سرنگ ہوگئی' یہ اس میں چلے گئے اور چین کے پرلے پار نکل گئے' وہاں پر سچے سیدھے مسلمان انہیں ملے جو ہمارے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آیت وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ الخ کا یہی مطلب ہے۔ اس آیت میں جس دوسرے وعدے کا ذکر ہے یہ آخرت کا وعدہ ہے۔ کہتے ہیں اس سرنگ میں ڈیڑھ سال تک وہ چلتے رہے۔ کہتے ہیں اس قوم کے اور تمہارے درمیان ایک نہر ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى
اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ
مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ
وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا
مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ
خَطِيْۗـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٦١﴾

ہم نے انہیں بارہ قبیلوں اور گروہ میں بانٹ دیا اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی جبکہ اس کی قوم نے اس سے پانی طلب کیا کہ اپنی لکڑی پتھر پر مار دے' پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے' ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا' اور ہم نے ان پر ابر کا سایہ کیا اور ان پر من وسلویٰ اتارا' جو ستھری روزی ہم نے تم کو دے رکھی ہے' کھاؤ' انہوں نے ہمارا تو کوئی بگاڑ نہیں کیا' ہاں بیشک اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ○ اس وقت کو یاد کرو جبکہ ہم نے ان سے فرمایا کہ تم اس بستی میں رہو اور جہاں جی چاہے یہاں کھاؤ پیو اور زبان سے حطۃ کہو یعنی ہمارے گناہ اتار دے اور اس دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جاؤ تو ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے' نیکی کرنے والوں کو ہم زیادتی دیا کرتے ہیں ○

(آیت: ۱۶۰-۱۶۲) یہ سب آیات سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں اور وہیں ان کی پوری تفسیر بھی بحمد اللہ ہم نے بیان کر دی ہے' وہ سورت مدنیہ ہے اور یہ مکیہ ہے۔ ان آیات اور ان احادیث کا فرق بھی مع لطافت کے ہم نے وہیں ذکر کر دیا ہے۔ یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَسْــَٔـلْهُمْ عَنِ
الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ
اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا
يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾

پھر بھی ان میں سے جو ظالم تھے انہیں جو بات کہی گئی تھی اس کے سوا انہوں نے اور بدل ڈالی' پھر تو ہم نے بھی ان پر آسمان سے عذاب نازل فرمایا' اس لئے کہ وہ ظلم پر کمر بستہ تھے ○ ان سے اس گاؤں کا حال تو دریافت کر جو دریا کے کنارے تھا' جبکہ وہاں کے لوگ ہفتے کے دن احکام میں حد سے گذرنے لگے' جبکہ ان کی مچھلیاں ان کے پاس ان کے ہفتے والے دن تو کھلم کھلا چڑھی چلی آتی تھیں اور جس دن وہ ہفتہ نہ مناتے' مچھلیاں بھی ان کے پاس نہ آتیں' ہم انہیں یوں ہی آزمانے لگے'

کیونکہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے ○

تصدیق رسالت سے گریزاں یہودی علماء: ☆☆ (آیت:۱۶۳) اس واقعہ کی آیت وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ گزر چکی ہے اسی واقعہ کا تفصیلی بیان اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے یہودیوں سے ان کے پہلے باپ دادوں کی بابت سوال کیجئے' جنہوں نے اللہ کے فرمان کی مخالفت کی تھی' پس ان کی سرکشی اور حیلہ جوئی کی وجہ سے ہماری اچانک پکڑ ان پر مسلط ہوئی' اس واقعہ کو یاد دلا کہ یہ بھی میری ناگہانی سزا سے ڈر کر اپنی اس ملعون صفت کو بدل دیں اور آپ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں ہیں' انہیں نہ چھپائیں' ایسا نہ ہو کہ اُن کی طرح اِن پر بھی ہمارے عذاب اِن کی بے خبری میں برس پڑیں' ان لوگوں کی یہ بستی بحر قلزم کے کنارے واقع تھی' جس کا نام آئلہ تھا' مدین اور طور کے درمیان یہ شہر تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی کا نام مدین تھا ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام متنا تھا' یہ مدین اور عینوں کے درمیان تھا۔ انہیں حکم ملا کہ یہ ہفتہ کے دن کی حرمت کریں اور اس دن شکار نہ کھیلیں' مچھلی نہ پکڑیں' ادھر مچھلیوں کی بحکم الٰہی یہ حالت ہوئی کہ ہفتے والے دن تو چڑھی چلی آتیں' کھلم کھلا ہاتھ لگتیں' تیرتی پھرتیں' سب طرف سے سمٹ کر آ جاتیں اور جب ہفتہ نہ ہوتا تو ایک مچھلی بھی نظر نہ آتی بلکہ تلاش پر بھی ہاتھ نہ لگتی' یہ ہماری آزمائش تھی کہ مچھلیاں ہیں تو شکار منع اور شکار جائز ہے تو مچھلیاں ندارد' چونکہ یہ لوگ فاسق اور بے حکم تھے' اس لئے ہم نے بھی ان کو اس طرح آزمایا' آخر ان لوگوں نے حیلہ جوئی شروع کی' ایسے اسباب جمع کرنے شروع کئے جو باطن میں اس حرام کام کا ذریعہ بن جائیں۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح حیلے کر کے ذرا سی دیر کے لئے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لینا۔ اس حدیث کو امام عبداللہ ابن بطہ لائے ہیں اور اس کی سند نہایت عمدہ ہے' اس کے راوی احمد بن محمد بن سلمہ کا ذکر امام خطیب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور انہیں ثقہ کہا ہے باقی تمام راوی بہت مشہور ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں' ایسی بہت سی سندوں کو امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَــــِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـــِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جبکہ ان کے ایک گروہ نے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ غارت کرنے والا ہے' یا جنہیں سخت تر عذاب کرنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے ہاں کا اپنے اوپر کا الزام اتارنے کے لئے اور اس خیال سے بھی کہ شاید یہ باز آ جائیں ○ آخر ان لوگوں نے جب وہ تمام باتیں بھلا دیں جو انہیں بطور نصیحت کی گئیں تھیں' تو ہم نے برائی سے روکنے والوں کو بچا کر ان ظالموں کو ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں سخت بدترین عذابوں میں پھانس لیا ○ پھر جس کام سے وہ

روکے گئے تھے جب اس میں حد سے تجاوز کر گئے' تو آخرش ہم نے حکم دے دیا کہ تم سب ذلیل بندر بن جاؤ O

اصحاب سبت: ☆☆ (آیت: ۱۶۴-۱۶۶) جس بستی کے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ان کے تین گروہ ہو گئے تھے' ایک تو حرام شکار کھیلنے والا اور حیلے حوالوں سے مچھلی پکڑنے والا' دوسرا گروہ انہیں روکنے والا اور ان سے بیزاری ظاہر کر کے ان سے الگ ہو جانے والا اور تیسرا گروہ چپ چاپ رہ کر نہ اس کام کو کرنے والا نہ اس سے روکنے والا جیسے کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار بیان کر آئے ہیں۔ جو لوگ خاموش تھے نہ برائی کرتے تھے نہ بروں کو برائی سے روکتے تھے' انہوں نے روکنے والوں کو سمجھانا شرع کیا کہ میاں ان لوگوں کو کہنے سننے سے کیا فائدہ؟ انہوں نے تو اللہ کے عذاب مول لے لئے ہیں' رب کے غضب کے لئے تیار ہو گئے ہیں' اب تم ان کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ تو اس پاک گروہ نے جواب دیا کہ اس میں دو فائدے ہیں' ایک تو یہ کہ اللہ کے پاس ہم معذرت خواہ ہو جائیں کہ ہم اپنا فرض برابر ادا کرتے رہے' انہیں ہر وقت سمجھاتے بجھاتے رہے۔ ''معذرۃ'' پیش سے بھی ایک قرأت ہے تو گویا ھذا کا لفظ یہاں مقدر مانا یعنی انہوں نے کہا' یہ ہماری معذرت ہے اور زبر کی قرأت پر یہ مطلب ہے کہ ہم جو انہیں روک رہے ہیں' یہ کام بطور اس کے کر رہے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہم پر الزام نہ آئے' کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کسی وقت کی نصیحت ان پر اثر کر جائے' یہ لوگ اپنی اس حرام کاری سے باز آ جائیں' اللہ سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر مہربانی کرے اور ان کے گناہ معاف فرما دے' آخر کار ان کی نصیحت خیر خواہی بھی بے نتیجہ ثابت ہوئی' ان بدکاروں نے ایک نہ مانی تو ہم نے اس مسلم گروہ کو تو جو برابر ان سے نالاں رہا' ان سے الگ رہا اور انہیں سمجھاتا بجھاتا رہا' نجات دے دی اور باقی کے ظالموں کو جو ہماری نافرمانیوں کے مرتکب تھے' اپنے بدترین عذابوں سے پکڑ لیا عبارت کی عمدگی ملاحظہ ہو کہ روکنے والوں کی نجات کا کھلے لفظوں میں اعلان کیا' ظالموں کی ہلاکت کا بھی غیر مشتبہ الفاظ میں بیان کیا اور چپ رہنے والوں کے حالات سے سکوت کیا گیا' اس لئے کہ ہر عمل کی جزا اسی کی ہم جنس ہے' یہ لوگ نہ تو اس ظلم عظیم میں شریک تھے کہ ان کی مذمت علانیہ کی جائے' نہ دلیری سے روکتے تھے کہ صاف طور پر قابل تعریف ٹھہریں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' جو گروہ ممانعت کرنے کے بعد تھک کر بیٹھ گیا تھا اور پھر روکنا چھوڑ دیا تھا' اللہ کا عذاب جب آیا تو یہ گروہ بھی اس عذاب سے بچ گیا' صرف وہی ہلاک ہوئے جو گناہ میں مبتلا تھے آپ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا بیان ہے کہ پہلے حضرت ابن عباسؓ کو اس میں بڑا تردد تھا کہ آیا یہ لوگ ہلاک ہوئے یا بچ گئے' یہاں تک کہ ایک روز میں آیا تو دیکھا کہ قرآن گود میں رکھے ہوئے رو رہے ہیں' پہلے تو میرا حوصلہ نہ پڑا کہ سامنے آؤں' لیکن دیر تک جب یہی حالت رہی تو میں نے قریب آ کر سلام کیا' بیٹھ گیا اور رونے کی وجہ دریافت کی' تو آپ نے فرمایا' دیکھو یہ سورہ اعراف ہے' اس میں ایلہ کے یہودیوں کا ذکر ہے کہ انہیں ہفتے کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت کر دی گئی اور ان کی آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتے کے دن ہی نکلیں' ہفتے کے دن دریا مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے' تر و تازہ موٹی اور عمدہ بکثرت مچھلیاں پانی کے اوپر اچھلتی کودتی رہتی تھیں' باقی دنوں میں سخت کوشش کے باوجود بھی نہ ملتی تھیں' کچھ دنوں تک تو ان کے دلوں کے اندر حکم الٰہی کی عظمت رہی اور یہ ان کے پکڑنے سے رکے رہے' لیکن پھر شیطان نے ان کے دل میں یہ قیاس ڈال دیا کہ اس دن منع کھانے سے ہے' تم نے آج کھانا نہیں' پکڑ لو اور جائز دن کھا لینا' سچے مسلمانوں نے انہیں اس حیلہ جوئی سے ہر چند روکا اور سمجھایا کہ دیکھو شکار کھیلنا شروع نہ کرو شکار کرنا اور کھانا دونوں ممنوع ہیں اگلے جمعہ کے دن جو جماعت شیطانی پھندے میں پھنس چکی تھی' وہ اپنے بال بچوں سمیت شکار کو نکل کھڑی ہوئی' باقی کے لوگوں کی دو جماعتیں بن گئیں' ایک ان کے دائیں ایک بائیں دائیں جانب والی تو برابر انہیں روکتی رہی'

کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ کے عذابوں کے لئے تیاری نہ کرو' بائیں والوں نے کہا' میاں تمہیں کیا پڑی؟ یہ تو خراب ہونے والے ہیں' اب تم انہیں نصیحت کر کے کیا لو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خیر اللہ کے ہاں ہم تو چھوٹ جائیں گے اور ہمیں تو اب تک مایوسی بھی نہیں' کیا عجب کہ یہ لوگ سنور جائیں تو ہلاکت اور عذاب سے محفوظ رہیں' ہماری تو عین منشا یہ ہے' لیکن یہ بدکار اپنی بے ایمانی سے باز نہ آئے اور نصیحت انہیں کارگر نہ ہوئی تو دائیں طرف کے لوگوں نے کہا تم نے ہمارا کہا نہ مانا' اللہ کی نافرمانی کی' ارتکاب حرمت کیا' عجب نہیں راتوں رات تم پر کوئی عذاب رب آئے اور اللہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسا دے یا کسی اور طرح تمہیں سزا دے رات ہم تو یہیں گذاریں گے اور تمہارے ساتھ شہر میں نہیں رہیں گے۔ جب صبح ہوگئی اور شہر کے دروازے نہ کھلے تو انہوں نے کواڑ کھٹ کھٹائے' آوازیں دیں' لیکن کوئی جواب نہ آیا' آخر سیڑھی لگا کر ایک شخص کو قلعہ کی دیوار پر چڑھایا' اس نے دیکھا تو حیران ہوگیا کہ سب لوگ بندر بنا دیئے گئے' اس نے ان سب مسلمانوں کو خبر دی' یہ دروازے توڑ کر اندر گئے تو دیکھا کہ سب دم دار بندر بن گئے ہیں' یہ تو کسی کو پہچان نہ سکے لیکن وہ پہچان گئے ہر بندر اپنے اپنے رشتے دار کے قدموں میں لوٹنے لگا' ان کے کپڑے پکڑ پکڑ کر رونے لگا' تو انہوں نے کہا دیکھو ہم تو تمہیں منع کر رہے تھے' لیکن تم نے مانا ہی نہیں' وہ اپنا سر ہلاتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے ہمارے اعمال کی شامت نے ہی ہمیں برباد کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تو قرآن میں ہے کہ روکنے والے نجات یافتہ ہوئے' لیکن یہ بیان نہیں کہ جو روکنے والوں کو منع کرتے تھے' ان کا کیا حشر ہوا؟ اب ہم بھی بہت سی خلاف باتیں دیکھتے ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

حضرت عکرمہ کہتے ہیں میں نے آپ سے یہ سن کر کہا' اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے' آپ یہ تو دیکھئے کہ وہ لوگ ان کے اس فعل کو برا سمجھتے رہے تھے' ان کی مخالفت کرتے تھے' جانتے تھے کہ یہ ہلاک ہونے والے ہیں' ظاہر ہے کہ یہ بچ گئے' آپ کی سمجھ میں آ گیا اور اسی وقت حکم دیا کہ مجھے دو چادریں انعام میں دی جائیں۔

الغرض اس بیچ کی جماعت کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ عذاب سے بچ گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عذاب ان پر بھی آیا۔ ابن رومان فرماتے ہیں کہ ہفتے والے دن خوب مچھلیاں آتیں' پانی ان سے بھر جاتا پھر بیچ کے کسی دن نظر نہ آتیں' دوسرے ہفتے کو پھر یہی حال ہوتا سب سے پہلے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ڈور اور کانٹا تیار کیا' مچھلی کو اس میں ہفتے کے دن پھنسا لیا اور پانی میں ہی چھوڑ دیا' اتوار کی رات کو جا کر نکال لیا' بھونا' لوگوں کو مچھلی کی خوشبو پہنچی تو سب نے گھیر لیا' ہر چند پوچھا' لیکن اول تو یہ سختی سے انکار کرتا رہا' آخرش بات بنا دی کہ دراصل ایک مچھلی کا چھلکا مجھے مل گیا تھا' میں نے اسے بھونا تھا۔ دوسرے ہفتے کے دن اس نے اسی طرح دو مچھلیاں پھانس لیں' اتوار کی رات کو نکال کر بھوننے لگا لوگ آ گئے تو اس نے کہا' میں نے ایک ترکیب نکال لی ہے جس سے نافرمانی بھی نہ ہو اور کام بھی نہ رکے' اب جو حیلہ بیان کیا تو ان سب نے اسے پسند کیا اور بکثرت لوگ یونہی کرنے لگے' یہ لوگ رات کو شہر پناہ کے پھاٹک بند کر کے سوتے تھے۔ جس رات عذاب آیا' حسب دستور یہ شہر پناہ کے پھاٹک لگا کر سوئے تھے' صبح کو جب باہر والے شہر میں داخل ہونے کیلئے آئے تو خلاف معمول اب تک دروازے بند پائے' آوازیں دیں' کوئی جواب نہ ملا تو قلعہ پر چڑھ گئے' دیکھا تو بندر بنا دیئے گئے ہیں' کھول کر اندر گئے تو بندر اپنے اپنے رشتہ داروں کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ کی ایسی ہی آیت کی تفسیر کے موقعہ پر بالتفصیل ان واقعات کو اچھی طرح بیان کر چکے ہیں' وہیں دیکھ لیجئے' فالحمدللہ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جو چپ رہے تھے' وہ بھی ان گنہگاروں کے ساتھ ہلاک ہوئے ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ پہلے ہفتہ کے دن کی تعظیم بطور بدعت خود ان لوگوں نے نکالی' اب اللہ کی طرف سے بطور آزمائش وہ تعظیم ان پر ضروری قرار دے دی گئی اور حکم ہو گیا

کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کرو۔ پھر مچھلیوں کا اس دن نمایاں ہونا' اور دنوں میں نہ نکلنا وغیرہ بیان فرما کر فرمایا کہ پھر ان میں سے ایک شخص نے ایک مچھلی ہفتے کے دن پکڑی' اس کی ناک میں سوراخ کر کے ڈور باندھ کر ایک کیل کنارے گاڑ کر اس میں ڈور اٹکا کر مچھلی کو دریا میں ڈال دیا' دوسرے دن جا کر پانی میں سے نکال لایا اور بھون کر کھالی۔ سوائے اس پاک باز حق گو جماعت کے لوگوں کے کسی نے نہ اسے روکا' نہ منع کیا' نہ سمجھایا' لیکن ان کی نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا' اس ایک کی دیکھا دیکھی اور بھی یہی کام کرنے لگے' یہاں تک کہ بازاروں میں مچھلی آنے لگی اور علانیہ یہ کام ہونے لگا۔ ایک اور جماعت کے لوگوں نے اس حق والی جماعت سے کہا کہ تم ان لوگوں کو کیوں وعظ کرتے ہو' اللہ تو انہیں ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب کرنے والا ہے' تو انہوں نے وہ جواب دیا یعنی اللہ کا فرمان دہرایا' لیکن لوگ فرمان ربانی کو بھول بیٹھے اور عذاب رب کے خود شکار ہو گئے' یہ تین گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک تو شکار کھیلنے والا' ایک منع کرنے والا اور ایک ان منع کرنے والوں سے کہنے والا کہ اب نصیحت بیکار ہے۔ پس وہ تو بچ گئے جو برابر روکتے رہے تھے۔ اور باقی دونوں جماعتیں ہلاک کر دی گئیں۔ سند اس کی نہایت عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباسؓ کا حضرت عکرمہؒ کے قول کی طرف رجوع کرنا اس قول کے کہنے سے اولیٰ ہے' اس لئے اس قول کے بعد ان پر ان کے حال کی حقیقت کھل گئی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ ہم نے ظالموں کو سخت عذابوں سے دبوچ لیا۔ مفہوم کی دلالت تو اس بات پر ہے کہ جو باقی رہے' بچ گئے۔ ''بئیس'' کی کئی ایک قراتیں ہیں اس کے معنی سخت' دردناک' تکلیف دہ کے ہیں اور سب کا مطلب قریب قریب یکساں ہے۔ ان کی سرکشی اور ان کے حد سے گزر جانے کے باعث ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل' حقیر اور ناقدرے بندر بن جاؤ چنانچہ وہ ایسے ہی ہو گئے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭاِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

یاد کرو جبکہ تیرے رب نے صاف صاف خبر کر دی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو کھڑا کرتا رہے گا جو انہیں بدترین سزائیں دیتے رہیں گے' بیشک تیرا رب بہت جلد سزاؤں کا کرنے والا ہے اور بیشک وہ بڑا ہی بخشنے اور مہربانی کرنے والا ہے ○ ہم نے بنی اسرائیل کے گروہ گروہ کر کے انہیں ملک میں پھیلا دیا' ان میں سے بعض تو نیک کار ہیں اور بعض اور طرح کے' ہم نے انہیں سکھ دکھ سے دونوں طرح آزما لیا کہ وہ لوٹ آئیں ○

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انجام ذلت و رسوائی: ☆☆ (آیت: ۱۶۷) اللہ تعالیٰ نے یہود کو اطلاع کر دی کہ ان کی اس سخت نافرمانی' بار بار کی بغاوت اور ہر موقعہ پہ نافرمانی' رب سے سرکشی اور اللہ کے حرام کو اپنے کام میں لانے کے لئے حیلہ جوئی کر کے اسے حلال کی جامہ پوشی کا بدلہ یہ ہے' کہ قیامت تک تم دبے رہو ذلت میں رہو' لوگ تمہیں پست کرتے چلے جائیں۔ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان پر تاوان مقرر کر دیا تھا' سات سال' یا تیرہ سال تک یہ اسے ادا کرتے رہے' سب سے پہلے خراج کا طریقہ آپ نے ہی ایجاد کیا' پھر ان پر یونانیوں کی حکومت ہوئی' پھر کسرانیوں' کلدانیوں اور نصرانیوں کی' سب کے زمانے میں ذلیل اور حقیر رہے' ان سے جزیہ لیا جاتا رہا اور انہیں پستی سے ابھرنے کا کوئی موقعہ نہ ملا' پھر اسلام آیا اور اس نے بھی انہیں پست کیا' جزیہ اور خراج برابر ان سے وصول ہوتا رہا' غرض یہ ذلیل رہے اور اس

امت کے ہاتھوں بھی حقارت کے گڑھے میں گرے رہے- بالآخر یہ دجال کے ساتھ مل جائیں گے لیکن مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جا کر ان کی تخم ریزی کر دیں گے- جو بھی اللہ کی شریعت مخالفت کرتا ہے اللہ کے فرمان کی تحقیر کرتا ہے اللہ اسے جلدی ہی سزا دے دیتا ہے ہاں جو اس کی طرف رغبت و رجوع کرے توبہ کرے جھکے تو وہ بھی اس کے ساتھ بخشش و رحمت سے پیش آتا ہے چونکہ ایمان نام ہے خوف اور امید کا اسی لئے یہاں اور اکثر جگہ عذاب ثواب، پکڑ دکڑ اور بخشش اور لالچ دونوں کا ایک ساتھ بیان ہوا ہے-

رشوت خوری کا انجام ذلت و رسوائی ہے: ☆☆ (آیت:۱۶۸) بنی اسرائیل مختلف فرقے اور گروہ کر کے زمین میں پھیلا دیئے گئے، جیسے فرمان ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تم زمین میں رہو سہو جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں جمع کر کے لائیں گے ان میں کچھ تو نیک تھے کچھ بد تھے جنات میں بھی یہی حال ہے جیسے سورہ جن میں ان کا قول ہے کہ ہم میں کچھ تو نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے ہیں ہمارے بھی مختلف فرقے ہوتے آئے ہیں- پھر فرمان ہے کہ ہم نے انہیں سختی نرمی سے لالچ اور خوف سے عافیت اور بلا سے غرض ہر طرح پرکھ لیا تاکہ وہ اپنے کرتوت سے ہٹ جائیں جب یہ زمانہ بھی گذرا جس میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ تھے ان کے بعد تو ایسے ناخلف اور نالائق آئے جن میں کوئی بھلائی اور خیریت تھی ہی نہیں یہ اب تورات کی تلاوت والے رہ گئے- ممکن ہے اس سے مراد صرف نصرانی ہوں اور ممکن ہے کہ یہ خبر عام نصرانی غیر نصرانی سب پر مشتمل ہو وہ حق بات کو بدلنے اور منانے کی فکر میں لگ گئے جیب بھر دو جو چاہو کہلوا لو پس ہوس یہ ہے کہ ہے کیا؟ توبہ کرلیں گے معاف ہو جائے گا پھر موقعہ آیا پھر دنیا لے کر اللہ کی باتیں بدل دیں گناہ کیا توبہ کی پھر موقعہ ملتے ہی لپک کر گناہ کر لیا مقصود ان کا دنیا طلبی ہے حلال سے ملے چاہے حرام سے پھر بھی مغفرت کی تمنا ہے یہ ہیں جو وارث رسول کہلواتے ہیں اور جن سے اللہ نے عہد لیا ہے-

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

پھر ان کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف ہوئے کہ کتاب کے وارث بن کر اس خسیس دنیا کا اسباب اختیار کرتے ہیں اس پر بھی دعویٰ یہ ہے کہ ہمیں تو ضرور بخش دیا جائے گا حالانکہ اگر پھر بھی ان کے پاس اسی طرح کا اسباب آ جائے تو یہ اسے بھی لے لیں کیا ان سے کتاب کا یہ مضبوط عہد نہیں لیا گیا کہ وہ سوائے حق بات کے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے نہ کہیں گے انہوں نے تو جو کچھ اس کتاب میں ہے خود پڑھا ہے آخرت کا گھر پرہیزگار لوگوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے کیا تم نہیں سمجھتے ○ جو کتاب اللہ کو مضبوطی سے لئے رہیں اور نماز کی پابندی کریں یقیناً ہم نیکی اور اصلاح کرنے والوں کا ثواب برباد نہیں کرتے ○

(آیت:۱۶۹-۱۷۰) جیسے دوسری آیت میں ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز تک ضائع کر دیا- بنی اسرائیل

کا آوے کا آوا بگڑ گیا' آج ایک کو قاضی بناتے ہیں' وہ رشوتیں کھانے اور احکام بدلنے لگتا ہے' وہ اسے ہٹا کر دوسرے کو قائم مقام کرتے ہیں' اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے' پوچھتے ہیں بھئی ایسا کیوں کرتے ہو؟ جواب ملتا ہے اللہ غفور و رحیم ہے' پھر وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اس عہدے پر لاتے ہیں جو اگلے قاضیوں' حاکموں اور ججوں کا شاکی تھا لیکن وہ بھی رشوتیں لینے لگتا ہے اور ناحق فیصلے کرنے لگتا ہے' پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم سے مضبوط عہد و پیمان ہم نے لے لیا ہے کہ تم حق کو ظاہر کیا کرو' اسے نہ چھپاؤ' لیکن یہ ذلیل دنیا کے لالچ میں آ کر عذاب رب مول لے رہے ہو۔ اسی وعدے کا بیان وَاِذْاَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ میں ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے رہیں گے اور اس کی کوئی بات نہ چھپائیں گے۔ یہ بھی اس کے خلاف تھا کہ گناہ کرتے چلے جائیں' توبہ نہ کریں اور بخشش کی امید رکھیں۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پاس کے اس اجر و ثواب کی لالچ دکھاتا ہے کہ اگر تقویٰ کیا' حرام سے بچے' خواہش نفسانی کے پیچھے نہ لگے' رب کی اطاعت کی تو آخرت کا بھلا تمہیں ملے گا' جو اس فانی دنیا کے ٹھاٹھ سے بہت ہی بہتر ہے' کیا تم میں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ گراں بہا چیز کو چھوڑ کر ردی چیز کے پیچھے پڑے ہو؟ پھر جناب باری عزوجل ان مومنوں کی تعریف کرتا ہے' جو کتاب اللہ پر قائم ہیں اور اس کتاب کی راہنمائی کے مطابق اس پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی اتباع کرتے ہیں' کلام رب پر جم کر عمل کرتے ہیں' احکام الٰہی کو دل سے مانتے ہیں اور بجالاتے ہیں' اس کے منع کردہ کاموں سے رک گئے ہیں' نماز کو پابندی' دلچسپی' خشوع اور خضوع سے ادا کرتے ہیں' حقیقتاً یہی لوگ اصلاح پر ہیں' ناممکن ہے کہ ان نیک اور پاکباز لوگوں کا بدلہ ضائع کر دے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع۹
وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ
تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾

اور جبکہ ہم نے ان کے سروں پر پہاڑ کو مثل سائبان کے لٹکا دیا' اس طرح کہ سمجھنے لگے کہ وہ ان پر گر پڑنے والا ہی ہے' جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے مضبوطی سے لئے رہو اور جو کچھ اس میں ہے' اسے یاد رکھو تا کہ تمہارا بچاؤ ہو جائے ○ جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھ سے ان کی اولادیں نکالیں اور خود ان ہی کو ان کا گواہ بنا دیا کہ کیا میں تمہارا پرورش کرنے والا نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ بیشک ہو ہم گواہ ہیں' یہ اس لئے کہ کہیں قیامت کے دن تم یہ نہ کہدو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے ○

(آیت:۱۷۱) اسی طرح کی آیت وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ الخ ہے یعنی ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا' اسے فرشتے اٹھا لائے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام انہیں ارض مقدس کی طرف لے چلے اور غصہ اتر جانے کے بعد تختیاں اٹھا لیں اور ان میں جو حکم احکام تھے' وہ انہیں سنائے تو انہیں وہ سخت معلوم ہوئے اور تسلیم و تعمیل سے صاف انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا (نسائی) مروی ہے کہ جب کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ نے ان سے فرمایا کہ لو اللہ کی

کتاب کے احکام قبول کرو' تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں سناؤ' اس میں کیا احکام ہیں؟ اگر آسان ہوئے تو ہم منظور کر لیں گے ورنہ نہیں مانیں گے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار کے اصرار پر بھی یہ لوگ یہی کہتے رہے' آخر اسی وقت اللہ کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا ہو گیا اور اللہ کے پیغمبرؑ نے فرمایا' بولو اب مانتے ہو یا اللہ تعالیٰ تم پر پہاڑ گرا کر تمہیں فنا کر دے؟ اسی وقت یہ سب کے سب مارے ڈر کے سجدے میں گر پڑے' لیکن بائیں آنکھ سجدے میں تھی اور دائیں سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ گر نہ پڑے' چنانچہ یہودیوں میں اب تک سجدے کا طریقہ یہی ہے' وہ سمجھتے ہیں کہ اسی طرح کے سجدے نے ہم پر سے عذاب الٰہی دور کر دیا ہے۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان تختیوں کو کھولا تو ان میں کتاب تھی جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا' اسی وقت تمام پہاڑ درخت پتھر سب کانپ اٹھے' آج بھی یہودی تلاوت تورات کے وقت کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے سر جھک جاتے ہیں۔

ہر روح نے اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مانا: ☆☆ (آیت:۱۷۲) اولاد آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ان کی پیٹھوں سے روز اول میں نکالیں' پھر ان سب سے اس بات کا اقرار کر لیا کہ رب' خالق' مالک' معبود صرف وہی ہے' اسی فطرت پر پھر دنیا میں ان سب کو ان کے وقت پر اس نے پیدا کیا' یہی وہ فطرت ہے جس کی تبدیلی ناممکن ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس دین پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں' جیسے کہ بکری کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان کاٹ دیتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد و مخلص پیدا کیا۔ پھر شیطان نے آ کر انہیں ان کے سچے دین سے بہکا کر میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کر دیں۔

أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ ٱلْءَايَٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

یا کہنے لگو کہ شرک تو پہلے ہی سے ہمارے بڑے کرتے رہے اور ہم تو ان کی نسلوں میں سے تھے' تو کیا تو ہمیں ان خطا کاروں کے جرم کی سزا میں ہلاک کر رہا ہے؟ ہم اسی طرح تفصیل وار آیتوں کو بیان فرما دیتے ہیں تا کہ لوگ باز آ جائیں O

(آیت:۱۷۳-۱۷۴) قبیلہ بنو سعد کے ایک صحابی حضرت اسود بن سریعؓ فرماتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چار غزوے کئے' لوگوں نے لڑنے والے کفار کے قتل کے بعد ان کے بچوں کو بھی پکڑ لیا' جب آپ کو اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور فرمایا' لوگ ان بچوں کو کیوں پکڑ رہے ہیں؟ کسی نے کہا حضورؐ وہ بھی تو مشرکوں کے ہی بچے ہیں؟ فرمایا' سنو تم میں سے بہتر لوگ مشرکین کی اولاد میں ہیں' یاد رکھو ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر زبان چلنے پر اس کے ماں باپ یہودیت یا نصرانیت کی تعلیم دینے لگتے ہیں' اس کے راوی حضرت حسن فرماتے ہیں' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ نے اولاد آدمؑ سے اپنی توحید کا اقرار لیا ہے (ابن جریر) اس اقرار کے بارے میں کئی ایک احادیث مروی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخی سے کہا جائے گا' اگر تمام دنیا تیری ہو تو کیا تو خوش ہے کہ اسے اپنے فدیئے میں دے کر میرے عذابوں سے آج بچ جائے؟ وہ کہے گا ہاں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا' میں نے تو اس سے بہت ہی ہلکے درجے کی چیز تجھ سے طلب کی تھی اور اس کا وعدہ بھی تجھ سے لے لیا تھا کہ میرے سوا تو کسی اور کی عبادت نہ کرے' لیکن تو اسے توڑے بغیر نہ رہا اور دوسرے

کو میرا شریک عبادت ٹھہرایا۔

مسند میں ہے' نعمان نامی میدان میں اللہ تعالیٰ نے پشت آدم میں سے عرفے کے دن ان کی تمام اولاد ظاہر فرمائی' سب کو اس کے سامنے پھیلا دیا اور فرمایا کہ میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا' ہاں ہم گواہ ہیں' پھر آپ نے مبطلون تک آیت تلاوت فرمائی یہ روایت موقوف ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم اس وقت لوگ چیونٹیوں کی طرح تھے اور تر زمین پر تھے۔ حضرت ضحاک بن مزاحم کے چھ دن کی عمر کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا' جابر اسے دفن کر کے اس کا منہ کفن سے کھول دینا اور گرہ بھی کھول دینا کیونکہ میرا یہ بچہ بٹھا دیا جائے گا اور اس سے سوال کیا جائے گا۔ جابر نے حکم کی بجا آوری کی' پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے بچے سے کیا سوال ہو گا اور کون سوال کرے گا؟ فرمایا' اس میثاق کے بارے میں جو صلب آدم میں لیا گیا ہے' سوال کیا جائے گا' میں نے پوچھا' وہ میثاق کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو جتنے انسان قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں' سب کی روحیں آ گئیں' اللہ نے ان سے عہد و پیمان لیا کہ وہ اسی کی عبادت کریں گے' اس کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانیں گے' خود ان کے رزق کا کفیل بنا' پھر انہیں صلب آدم میں لوٹا دیا' پس یہ سب قیامت سے پہلے ہی پہلے پیدا ہوں گے۔ جس نے اس وعدے کو پورا کیا اور اپنی زندگی میں اس پر قائم رہا' اسے وہ وعدہ نفع دے گا اور جس نے اپنی زندگی میں اس کی خلاف ورزی کی' اسے پہلے کا وعدہ کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور جو بچپن میں ہی مر گیا' وہ میثاق اول پر اور فطرت پر مرا' ان آثار سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی حدیث کا موقوف ہونا ہی اکثر اور زیادہ ثبوت والا ہے ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بنی آدمؑ کی پیٹھ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلیں ایسی نکالیں جیسے کنگھی بالوں میں سے نکلتی ہے' ان سے اپنی ربوبیت کا سوال کیا' انہوں نے اقرار کیا' فرشتوں نے شہادت دی اس لیے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اس سے غفلت کا بہانہ نہ کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا' یہی سوال رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا' تو آپ نے میرے سنتے ہوئے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم کو پیدا کیا' اپنے داہنے ہاتھ سے ان کی پیٹھ کو چھوا' اس سے اولاد نکلی' فرمایا' میں نے انہیں جہنم کے لیے پیدا کیا ہے' یہ جہنمیوں کے اعمال کریں گے' تو آپ سے سوال ہوا کہ پھر عمل کس گنتی میں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو جنتی ہیں' ان سے مرتے دم تک جنتیوں کے اعمال ہی سرزد ہوں گے اور جنت میں جائیں گے' ہاں جو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا ہے' اس سے وہی اعمال سرزد ہوں گے' انہی پر مرے گا اور جہنم میں داخل ہو گا (ابوداؤد) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو نکال کر ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور رکھ کر حضرت آدم کے سامنے پیش کیا' حضرت آدم نے پوچھا کہ یا اللہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تیری اولاد ہے' ان میں سے ایک کے ماتھے کی چمک حضرت آدمؑ کو بہت اچھی لگی' پوچھا' یا اللہ یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ تیری اولاد میں سے بہت دور جا کر ہیں' ان کا نام داؤد ہے' پوچھا ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال' کہا' یا اللہ چالیس سال میری عمر میں سے ان کی عمر میں زیادہ کر' پس جب حضرت آدمؑ کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں' فرشتے نے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ آپ نے یہ چالیس سال اپنے بچے حضرت داؤد کو ہبہ کر دیئے ہیں' بات یہ ہے کہ چونکہ آدمؑ نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی انکار کی عادی ہے' آدم خود بھول گئے' ان کی اولاد بھی بھولتی ہے' آدم نے خطا کی' ان کی اولاد بھی خطا کرتی ہے' یہ حدیث ترمذی میں ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح لکھتے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ کوئی ان میں جذامی ہے' کوئی کوڑھی ہے' کوئی اندھا ہے' کوئی بیمار ہے' تو پوچھا

کہ یا اللہ اس میں کیا مصلحت ہے؟ فرمایا یہ کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ ان میں یہ زیادہ روشن اور نورانی چہروں والے کون ہیں؟ فرمایا یہ انبیاء ہیں کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں' یہ ہمارا ذاتی عمل ہے یا کہ فیصل شدہ ہے؟ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی اولاد کو ان کی پیٹھوں سے نکالا' انہیں گواہ بنایا' پھر اپنی دونوں مٹھیوں میں لے لیا اور فرمایا یہ جنتی ہیں اور یہ جہنمی' پس اہل جنت پر تو نیک کام آسان ہوتے ہیں اور دوزخیوں پر برے کام آسان ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور قضیہ ختم کیا تو جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملنے والا ہے' انہیں اپنی داہنی مٹھی میں لیا اور بائیں والوں کو بائیں مٹھی میں لیا' پھر فرمایا اے دائیں طرف والو' انہوں نے کہا لبیک وسعدیک' فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا ہاں' پھر سب کو ملا دیا' کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ ان کے لئے اور اعمال ہیں جنہیں یہ کرنے والے ہیں' یہ تو صرف اس لئے کہلوایا گیا ہے کہ انہیں یہ عذر نہ رہے کہ ہم اس سے غافل تھے' پھر سب کو صلب آدمؑ میں لوٹا دیا حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں' اس میدان میں اس دن سب کو جمع کیا' صورتیں دیں' بولنے کی طاقت دی' پھر عہد و میثاق لیا اور اپنے رب ہونے پر خود انہیں گواہ بنایا اور ساتوں آسمانوں' ساتوں زمینوں اور حضرت آدمؑ کو گواہ کیا کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں علم نہ تھا۔ جان لو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں' نہ میرے سوا کوئی اور مربی ہے' میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا' میں اپنے رسولوں کو بھیجوں گا جو تمہیں یہ وعدہ یاد دلائیں گے' میں اپنی کتابیں اتاروں گا' تاکہ تمہیں یہ عہد و میثاق یاد دلاتی رہیں' سب نے جواب میں کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے' تو ہی ہمارا معبود ہے' تیرے سوا ہمارا کوئی مربی نہیں' پس سب سے اطاعت کا وعدہ لیا۔ اب جو حضرت آدم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو امیر غریب اور اس کے سوا مختلف قسم کے لوگوں پر نظر پڑی تو آپ کہنے لگے کیا اچھا ہوتا کہ سب برابر ایک ہی حالت کے ہوتے' تو جواب ملا کہ یہ اس لئے ہے کہ ہر شخص میری شکر گذاری کرے۔ آپ نے دیکھا کہ ان میں اللہ کے پیغمبر بھی ہیں۔ ان سے پھر علیحدہ ایک اور میثاق لیا گیا جس کا بیان آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ میں ہے۔ اسی عام میثاق کا بیان آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ میں ہے۔ اسی لئے فرمان ہے هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى اسی کا بیان اس آیت میں ہے وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ (مسند احمد) حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور بہت سے سلف سے ان احادیث کے مطابق اقوال مروی ہیں طوالت سے بچنے کیلئے چند اصحاب کے نام درج کر دیئے ہیں' ماحصل سب کا یہی ہے جو ہم نے بیان کر دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو آپ کی پیٹھ سے نکالا' جنتی دوزخی الگ الگ کئے اور وہیں ان کو اپنے رب ہونے پر گواہ کر لیا۔ یہ جن دو احادیث میں ہے وہ دونوں مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہیں۔ اسی لئے سلف وخلف میں اس بات کے قائل گذرے ہیں کہ اس سے مراد فطرت پر پیدا کرنا ہے جیسے کہ مرفوع اور صحیح احادیث میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ اور مِنْ ظُهُوْرِهِمْ کہا اور نہ من ادم اور من ظهره ہوتا' ان کی نسلیں اس روز نکالی گئیں جو کہ یکے بعد دیگرے مختلف قرنوں میں ہونے والی تھیں۔ جیسے فرمان ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ اللہ ہی نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین کیا ہے۔ اور جگہ ہے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا رہا ہے۔

اور آیت میں ہے جیسے تمہیں دوسرے لوگوں کی اولاد میں کیا الغرض حال وقال سے سب نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کیا۔ شہادت قولی ہوتی ہے جیسے آیت شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا میں اور شہادت کبھی حال سے ہوتی ہے جیسے آیت شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ میں یعنی ان کا حال ان کے کفر کی کھلی اور کافی شہادت ہے۔ اس طرح کی آیت وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ہے۔ اسی طرح سوال

بھی کبھی زبان سے ہوتا ہے کبھی حال سے۔ جیسے فرمان ہے وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ اس نے تمہیں تمہارا منہ مانگا دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر یہ دلیل بھی ہے کہ ان کے شرک کرنے پر یہ حجت ان کے خلاف پیش کی' پس اگر یہ واقع میں ہوا ہوتا جیسا کہ ایک قول ہے' تو چاہئے تھا کہ ہر ایک کو یاد ہوتا تا کہ اس پر حجت رہے' اگر اس کا جواب یہ ہو کہ فرمان رسولؐ سے خبر پالینا کافی ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو رسولوں کو ہی نہیں مانتے وہ رسولوں کی دی ہوئی خبروں کو کب صحیح جانتے ہیں؟ حالانکہ قرآن کریم نے رسولوں کی تکذیب کے علاوہ خود اس شہادت کو مستقل دلیل ٹھہرایا ہے پس اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس سے مراد فطرت ربانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ فطرت توحید باری تعالیٰ ہے' اسی لئے فرماتا ہے کہ یہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم توحید سے غافل تھے اور یہ بھی نہ کہہ سکو کہ شرک تو ہمارے اگلے باپ دادوں نے کیا تھا' ان کے اس ایجاد کردہ گناہ پر ہمیں سزا کیوں؟ پھر تفصیل وار آیات کے بیان فرمانے کا راز ظاہر کیا کہ اس کو سن کر برائیوں سے باز آ جانا ممکن ہو جاتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ سَآءَ مَثَلًا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾

انہیں اس شخص کا واقعہ بھی پڑھ سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ ان سے الگ ہٹ گیا اور شیطان اس کے درپے ہو گیا' پس انجام کار وہ گمراہوں میں جا ملا ○ اگر ہم چاہتے تو نشانیوں کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن اس نے تو پستی ہی کی طرف میلان کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا' پس اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اگر اس پر مشقت لاد دے تو بھی ہانپتا رہے' اور چھوڑ دے جب بھی ہانپتا ہی رہے' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں' تو ان واقعات کو بیان کرتا رہ' تا کہ یہ غور و فکر کر سکیں ○ بڑی بری مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں در حقیقت وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں ○

بلعم بن باعورا: ☆☆ (آیت: ۱۷۵-۱۷۷) مروی ہے کہ جس شخص کا واقعہ ان آیات میں بیان ہو رہا ہے' اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام صفی بن راہب تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ بیت المقدس میں رہا کرتا تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا۔ یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا' اس کی دعا مقبول ہو جایا کرتی تھی' بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے' اللہ اس کی دعا مقبول فرما لیا کرتا تھا' اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا' اس عقلمند بادشاہ نے اسے مکر و فریب سے اپنا گرویدہ کر لیا اور اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا' یہ بدنصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جا ملا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام

بلعام تھا' یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا' اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور علیہ السلام کے زمانے کو بھی اس نے پایا' آپ کی آیات بینات دیکھیں' معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے' ہزار ہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا' لیکن مشرکین کے میل جول' ان میں امتیاز' ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا' اس نے بدری کافروں کے ماتم میں مرثیئے کہے۔ لعنۃ اللہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مومن نہیں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا' مقبول ہوں گی' اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دعاؤں میں سے ایک دعا میرے لئے کر' اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن وخوبصورت عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو' اس نے دعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی' اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی' بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی' اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے' یہ بھی منظور ہوئی' وہ کتیا بن گئی' اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا' لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں' آپ دعا کیجئے کہ اللہ اسے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لا دے چنانچہ اس نے وہ تیسری دعا بھی کر لی' تینوں دعائیں یوں ہی ضائع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خبر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا' یہ محض جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے' انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا' اس کی قوم اور اس کے قرابت دار چچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰؑ اور اس کی قوم کے لئے آپ بددعا کیجئے' اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا وآخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی' یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا' بددعا کی' اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیہہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون (علیہ السلام) کو نبی بنا کر بھیجا' انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں' یہ آمادہ ہو گئے' بیعت کر لی' انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا' جو بڑا عالم تھا' اسم اعظم جانتا تھا' یہ بدنصیب کافر ہو گیا' قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا' تم نہ گھبراؤ' جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا' میں ان پر بددعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا' اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے' لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی تھی' اسی بدقسمت کا ذکر اس آیت میں ہے' شیطان اس پر غالب آ گیا' اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا' جو وہ کہتا' یہ کرتا تھا' آخر ہلاک ہو گیا مسند ابویعلیٰ موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چادر اوڑھے ہوئے ہو گا اور دینی ترقی پر ہو گا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا' اسے پس پشت ڈال دے گا' اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مشرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہو گا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ یا وہ جسے تہمت لگا رہا ہے' فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں' دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں' اپنی دی ہوئی آیات کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا' اسے سجدہ کر لیا' کہتے ہیں کہ اس بلعام

سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے' اس نے کہا اچھا میں' اللہ سے حکم لے لوں' جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں' اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے' انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے' اس نے سب رکھ لئے' پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے' آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے' اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا' اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا' اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا تھا اس کی بھی سمجھ میں آ گیا' اٹھ کر بددعا شرع کی اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کی بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح ونصرت کی دعا نکلتی' قوم نے کہا' آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا' کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں' سنو اگر سچ مچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہو گی سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں' اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے۔ تم اپنی نوجوان لڑکیوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں۔ ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں' اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے' اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا' خود بادشاہ کی بڑی حسین وجمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی' اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے' یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے' حرام کاری سے بچ نہ سکے' شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا' اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں' اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا' اس نے اجازت دی' یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا۔ اور اس نے اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرو دیا' اللہ تعالیٰ نے اس کے دست وباز وقوی کر دیئے' اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے ہوئے اٹھالیا' لوگوں نے بھی انہیں دیکھا' اب اس لشکر پر رب کا عذاب طاعون کی شکل میں آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا' وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی' اب بلعام اسے مارتا پیٹتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی' آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے' سامنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا' یہ اتر پڑا اور سجدے میں گر گیا' الغرض ایمان سے خالی ہو گیا' اس کا نام یا تو بلعام تھا' یا بلعم بن باعورا یا' ابن ابر' یا ابن باعور بن شہوم بن قوشتم بن ماب بن لوط بن ہاران' یا ابن حران بن آزر' یہ بلقا کا رئیس تھا' اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی' اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا' کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی' اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا' گدھی کو اللہ نے زبان دی' اس نے کہا تیرا ناس جائے' تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسولؑ سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی' فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں' اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا' آگے بڑھ گیا' حسبان نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا' اب ان کے لئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی' دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی' قوم نے کہا' کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں' اسی وقت اس کی زبان نکل کر سینے پر لٹکنے لگی' اس نے کہا' لو میری

دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا۔ پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا۔ ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کسبتی تھا، جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی، وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گذری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا، وہ اس پر فریفتہ ہو گیا، دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہدیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے، آپ نے کہا بیشک، اس نے کہا اچھا میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کالا کرنے لگا، وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فنحاس بن عیزار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے، جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بے تاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرو لیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے، کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما، ہم پر سے یہ وبا دور فرما، دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں، ان کی دعا اور اس فعل سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مر چکے تھے دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکریاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائیں، بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دست اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فنحاص کی اولاد کو دیا کرتے ہیں، اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیات میں ہے۔

فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ خالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھتکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کو لٹک پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی، کتے کی طرح ہانپتا رہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا، یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جمے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا، جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اپنے پاؤں تلے روند و خواہ چھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے، انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کر یا نہ کر، اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں، منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔

پھر اللہ عزوجل اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہ، تاکہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آ جائیں اور یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا، دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا، آخر نہ یہ ملا نہ وہ، دونوں ہاتھ خالی رہ گئے، اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایات پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر بھول نہ جائیں، ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے۔ انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور دوسرے لوگوں پر حق کو ظاہر کریں، دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف نگلنے اگلنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے، وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، ہمارے لئے بری مثالیں نہیں، اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گناہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں، یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں، طاعت مولیٰ، اتباع ہدیٰ سے

ہٹا کر خواہش کی غلامی اور دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

راہ راست پر تو وہی ہیں جنہیں اللہ ہدایت دے دے اور جنہیں وہ بے راہ کر دے وہ سخت نقصان اٹھانے والے ہیں ○ اور ہم نے بہت انسان اور جنات جہنم کے لئے ہی پیدا کئے ہیں' ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے سمجھتے بوجھتے نہیں' ان کی آنکھیں بھی ہیں لیکن ان سے دیکھتے بھالتے نہیں' ان کے کان بھی ہیں لیکن سن گن ان میں بھی نہیں' یہ تو چوپاؤں کی طرح کے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے' یہی لوگ تو پورے غافل اور بے خبر رہے ہیں ○

بہترین دعا: ☆☆ (آیت:۱۷۸) رب جنہیں راہ دکھائے' انہیں کوئی بے راہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ ہی غلط راہ پر ڈال دے' اس کی شومی قسمت میں کیا شک ہے؟ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اسی سے بخشش مانگتے ہیں' ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بھی' اللہ کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا اور اس کے گمراہ کئے ہوئے کو کوئی راہ راست پر لا نہیں سکتا' میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود صرف اللہ ہی ہے' وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور میری گواہی ہے کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مسند احمد وغیرہ)

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے: ☆☆ (آیت:۱۷۹) بہت سے انسان اور جن جہنمی ہونے والے ہیں اور ان سے ویسے ہی اعمال سرزد ہوتے ہیں' مخلوق میں سے کون کیسے عمل کرے گا؟ یہ علام الغیوب کو ان کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم ہوتا ہے' پس اپنے علم کے مطابق اپنی کتاب میں آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے ہی لکھ لیا۔ جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ ایک انصاری نابالغ بچے کے جنازے پر بلوائے گئے تو میں نے کہا کہ مبارک ہو اس کو' یہ تو جنت کی چڑیا ہے نہ برائی کی نہ برائی کا وقت پایا' آپ نے فرمایا کچھ اور بھی؟ سن اللہ تعالیٰ نے جنت کو اور جنت والوں کو پیدا کیا ہے اور انہیں جنتی مقرر کر دیا ہے حالانکہ وہ ابھی اپنے باپوں کی پیٹھوں میں ہی تھے' اسی طرح اس نے جہنم بنائی ہے اور اس کے رہنے والے پیدا کیے ہیں انہیں اسی لیے مقرر کر دیا ہے درآں حالیکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں ہی ہیں۔

بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے' ماں کے رحم میں اللہ تعالیٰ اپنا فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کے حکم سے چار چیزوں یعنی روزی' عمر' عمل اور نیکی یا بدی کو لکھ دیتا ہے۔ یہ بھی بیان گذر چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو پشت آدم سے نکالا تو ان کے دو حصے کر دیئے' دائیں والے اور بائیں والے اور فرما دیا یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں اور تقدیر کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ یہاں پورا بیان ہو جائے۔ یہاں مقصد یہ ہے کہ ایسے خالی از خیر محروم قسمت

لوگ کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھاتے' تمام اعضاء ہوتے ہیں لیکن قوتیں سب سے چھن جاتی ہیں' اندھے' بہرے' گونگے بن کر زندگی گڑھے میں ہی گذار دیتے ہیں' اگر ان میں خیر باقی ہوتی تو اللہ اپنی باتیں انہیں سناتا بھی' یہ تو خیر سے بالکل خالی ہو گئے' سنتے ہیں اور ان سنی کر جاتے ہیں' آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں۔ رحمان کے ذکر سے منہ موڑنے کی سزا یہ ملی ہے کہ شیطان کے بھائی بن گئے ہیں' راہ حق سے دور جا پڑے ہیں مگر سمجھ یہی رہے ہیں کہ ہم سچے اور صحیح راستے پر ہیں۔ ان میں اور چوپائے جانوروں میں کوئی فرق نہیں نہ یہ حق کو دیکھیں اور نہ ہدایت کو دیکھیں' نہ اللہ کی باتوں کو سوچیں۔ چوپائے بھی تو اپنے حواس دنیا کے کام میں لاتے ہیں' اسی طرح یہ بھی فکر عقبیٰ سے' ذکر رب سے' راہ مولا سے غافل' گونگے اور اندھے ہیں۔ جیسے فرمان ہے وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً الخ' یعنی ان کافروں کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جو اس کے پیچھے چلا رہا ہے جو درحقیقت سنتی وتنی خاک بھی نہیں۔ ہاں صرف شور وغل تو اس کے کان میں پڑتا ہے۔ چوپائے آواز تو سنتے ہیں لیکن کیا کہا؟ اسے سمجھے ان کی بلا۔

پھر ترقی کر کے فرماتا ہے کہ یہ تو ان چوپایوں سے بھی بدترین ہیں کہ چوپائے گو نہ سمجھیں' لیکن آواز پر کان تو کھڑے کر دیتے ہیں' اشاروں پر حرکت تو کرتے ہیں' یہ تو اپنے مالک کو اتنا بھی نہیں سمجھتے' اپنی پیدائش کی غایت کو آج تک معلوم ہی نہیں کیا' جبھی تو اللہ سے کفر کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اس کے برخلاف جو اللہ کا مطیع انسان ہو' وہ اللہ کے اطاعت گذار فرشتے سے بہتر ہے اور کفار انسان سے چوپائے جانور بہتر ہیں' ایسے لوگ پورے غافل ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اللہ ہی کے لئے ہیں تمام بہترین نام' پس ان ناموں سے تم اسے پکارا کرو' انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں' وہ اپنے کئے کا بدلہ ضرور دیئے جائیں گے ○

اسماء الحسنٰی: ☆☆ (آیت:۱۸۰) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ انہیں جو محفوظ کر لے' وہ جنتی ہے' وہ وتر ہے طاق ہی کو پسند کرتا ہے (بخاری وغیرہ) ترمذی میں یہ ناوے نام اس طرح ہیں الله الذی لا اله الا هو الرحمٰن الرحيم الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر الخالق البارى المصور الغفار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العليم القابض الباسط الخافض الرافع المعز المذل السميع البصير الحكم العدل اللطيف الخبير الحليم العظيم الغفور الشكور العلى الكبير الحفيظ المقيت الحسيب الجليل الكريم الرقيب المجيب الواسع الحكيم الودود المجيد الباعث الشهيد الحق الوكيل القوى المتين الولى الحميد المحصى المبدى المعيد المحى المميت الحى القيوم الواجد الماجد الواحد الاحد الفرد الصمد القادر المقتدر المقدم المؤخر الاول الاخر الظاهر الباطن الوالى المتعالىٰ البر التواب المنتقم العفو الرؤوف مالك الملك ذوالجلال والاكرام المقسط الجامع الغنى المغنى المانع الضار النافع النور الهادى البديع الباقى الوارث الرشيد الصبور۔

یہ حدیث غریب ہے- کچھ کمی زیادتی کے ساتھ اسی طرح یہ نام ابن ماجہ کی حدیث میں بھی وارد ہیں- بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ راویوں نے یہ نام قرآن سے چھانٹ لیے ہیں- واللہ اعلم- یہ یاد رہے کہ یہی ننانوے نام اللہ کے ہوں اور نہ ہوں' یہ بات نہیں- مسند احمد میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جسے کبھی بھی کوئی غم و رنج پہنچے اور وہ یہ دعا کرے اللھم انی عبدك ابن عبدك ابن امتك ناصیتی بیدك ماض فیّ حكمك عدل فیّ قضاؤك اسألك بكل اسم هو لك سمیت به نفسك و انزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القران العظیم ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی- تو اللہ تعالیٰ اس کے غم و رنج کو دور کر دے گا اور اس کی جگہ راحت وخوشی عطا فرمائے گا- آپ سے سوال کیا گیا کہ پھر کیا ہم اسے اوروں کو بھی سکھائیں؟ آپ نے فرمایا بے شک' جو اسے سنے' اسے چاہئے کہ دوسروں کو بھی سکھائے- امام ابوحاتم بن حبان بستی بھی اسی روایت کو اسی طرح اپنی صحیح میں لائے ہیں- امام ابوبکر بن عربی بھی اپنی کتاب عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کتاب وسنت سے جمع کیے ہیں' جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی ہے' واللہ اعلم-

اللہ کے ناموں سے الحاد کرنے والوں کو چھوڑ دو جیسے کہ لفظ اللہ سے کافروں نے اپنے بت کا نام لات رکھا اور عزیز سے مشتق کر کے عزیٰ نام رکھا- یہ بھی معنی ہیں کہ جو اللہ کے ناموں میں شریک کرتے ہیں' انہیں چھوڑ دو' جو انہیں جھٹلاتے ہیں' ان سے منہ موڑ لو- الحاد کے لفظی معنی ہیں درمیانہ' سیدھے راستے سے ہٹ جانا اور گھوم جانا- اسی لیے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کیونکہ سیدھی کھدائی سے ہٹا کر بنائی جاتی ہے-

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع ۱۰

ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ○

امت محمد ﷺ کے اوصاف: ☆☆ (آیت:۱۸۱) یعنی بعض لوگ حق وعدل پر قائم ہیں' حق بات ہی زبان سے نکالتے ہیں' حق کام ہی کرتے ہیں' حق کی طرف ہی اوروں کو بلاتے ہیں' حق کے ساتھ ہی انصاف کرتے ہیں- اور بعض آثار میں مروی ہے کہ اس سے مراد امت محمد یہ ہے چنانچہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں' مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ جب نبی ﷺ اس آیت کی تلاوت فرماتے تو فرماتے کہ یہ تمہارے لیے ہے تم سے پہلے یہ وصف قوم موسیٰ کا تھا- ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا ارشاد ہے میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قائم رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اتریں' وہ خواہ کبھی بھی اتریں- بخاری ومسلم میں ہے' آپ فرماتے ہیں' میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر رہے گا' انہیں ان سے دشمنی کرنے والے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی- ایک اور روایت میں ہے کہ یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائیگا' وہ اسی پر رہیں گے- ایک اور روایت ہے (اس وقت) وہ شام میں ہوں گے-

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ
يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۗ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹ جانتے ہیں' ہم انہیں آہستہ آہستہ اس طرح گھسیٹتے جائیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا' میری تدبیر بہت ہی مضبوط ہے ○ کیا انہوں نے کبھی اس بات کو نہیں سوچا کہ ان کے رفیق کو کسی طرح کی دیوانگی نہیں' وہ تو صاف صاف آگاہ کرنے والا ہی ہے ○

سامان تعیش کی کثرت عتاب الٰہی بھی ہے: ☆☆ (آیت:۱۸۲-۱۸۳) یعنی ایسے لوگوں کو روزی میں کشادگی دی جائے گی' معاش کی آسانیاں ملیں گی' وہ دھوکے میں پڑ جائیں گے اور حقانیت کو بھول جائیں گے' جب پورے مست ہو جائیں گے اور ہماری نصیحت کو گئی گذری کر دیں گے' تو ہم انہیں ہر طرح کے آرام دیں گے یہاں تک کہ وہ مست ہو جائیں گے' تب انہیں ہم ناگہانی پکڑ میں پکڑ لیں گے' اس وقت وہ مایوسی کے ساتھ منہ تکتے رہ جائیں گے اور ان ظالموں کی رگ کٹ جائے گی۔ حقیقتاً تعریفوں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انہیں میں تو ڈھیل دوں گا اور یہ میرے اس داؤ سے بے خبر ہوں گے' میری تدبیر کبھی ناکام نہیں ہوتی' وہ بڑی مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے۔

صداقت رسالت پر اللہ کی گواہی: ☆☆ (آیت:۱۸۴) کیا ان کافروں نے کبھی اس بات پر غور کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ میں جنون کی کوئی بات بھی ہے؟ جیسے فرمان ہے قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ الخ آؤ میری ایک بات تو مان لو ذرا سی دیر خلوص کے ساتھ اللہ کو حاضر جان کر اکیلے وکیلے غور تو کرو کہ مجھ میں کون سا دیوانہ پن ہے؟ میں تو تمہیں آنے والے سخت خطرے کی اطلاع دے رہا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہو۔ جب تم یہ کرو گے تو خود اس نتیجے پر پہنچ جاؤ گے کہ میں مجنوں نہیں بلکہ اللہ کا پیغام دے کر تم میں بھیجا گیا ہوں۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریشیوں کے ایک ایک قبیلے کا الگ الگ نام لے کر انہیں اللہ کے عذابوں سے ڈرایا اور اسی طرح صبح کر دی تو بعض کہنے لگے کہ دیوانہ ہو گیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ
اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ
اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

کیا انہوں نے کبھی آسمان و زمین کی مملکت میں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز میں کبھی غور نہیں کیا؟ اور اس بات پر کہ ممکن ہے ان کی اجل قریب ہی آ گئی ہو؟ پھر اب یہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے؟ ○ اللہ کے بہکائے ہوئے کا رہنما کوئی نہیں' انہیں تو اللہ تعالیٰ سرکشی میں ہی سرگرداں چھوڑ دیتا ہے ○

شیطانی چکر: ☆☆ (آیت:۱۸۵) اللہ تعالیٰ جل شانہ کی اتنی بڑی وسیع بادشاہت میں سے اور زمین و آسمان کی ہر طرح کی مخلوق میں سے' کسی ایک چیز نے بھی بعد از غور و فکر انہیں یہ توفیق نہ دی کہ یہ با ایمان ہو جاتے؟ اور رب کو بے نظیر و بے شبہ واحد و فرد مان لیتے؟ اور جان لیتے کہ اتنی بڑی خلق' کا خالق' اتنے بڑے ملک کا واحد مالک ہی عبادتوں کے لائق ہے؟ پھر یہ ایمان قبول کر لیتے اور اسی کی عبادتوں میں لگ جاتے اور شرک و کفر سے یکسو ہو جاتے؟ انہیں ڈر لگنے لگتا کہ کیا خبر ہماری موت کا وقت قریب ہی آ گیا ہو؟ ہم کفر پر ہی مر جائیں تو ابدی سزاؤں میں پڑ جائیں؟ جب انہیں اتنی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد' اس قدر باتیں سمجھا دینے کے بعد بھی ایمان و یقین نہ آیا' اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کے آ جانے کے بعد بھی یہ راہ راست پر نہ آئے تو اب کس بات کو مانیں گے؟۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ معراج والی رات جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ گویا اوپر کی طرف بجلی کی

کڑک اور کھڑ کھڑاہٹ ہو رہی ہے۔ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں جتنے اونچے تھے جن میں سانپ پھر رہے تھے جو باہر سے ہی نظر آتے تھے' میں نے حضرت جبرائیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا یہ سود خور ہیں' جب میں وہاں سے اترنے لگا تو آسمان اول پر آ کر میں نے دیکھا' نیچے کی جانب دھواں' غبار اور شور وغل ہے' میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے کہا یہ شیاطین ہیں جو اپنی خرمستیوں اور دھینگا مشتیوں سے لوگوں کی آنکھوں پر پردے ڈال رہے ہیں کہ وہ آسمان و زمین کی بادشاہت کی چیزوں میں غور و فکر نہ کر سکیں' اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ بڑے عجائبات دیکھتے۔ اس کے ایک راوی علی بن زید بن جدعان کی بہت سی روایات منکر ہیں۔

میری نشانیاں اور تعلیم گمراہوں کے لیے بے سود ہیں: ☆☆ (آیت:۱۸۶) جس پر گمراہی لکھ دی گئی ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا' وہ چاہے ساری نشانیاں دیکھ لے لیکن بے سود' اللہ کا ارادہ جس کے لیے فتنے کا ہو تو اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ میرا حکم تو یہی ہے کہ آسمان و زمین کی میری بے شمار نشانیوں پر غور کرو لیکن یہ ظاہر ہے کہ آیات اور ڈراوے بے ایمانوں کے لیے سودمند نہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ
رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ
اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

تجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا قائم ہونا کب ہے؟ تو جواب دے کہ اس کا علم تو صرف میرے پروردگار کے پاس ہی ہے' وہی اسے اس کے مقررہ وقت پر ظاہر کر دے گا' وہ تو زمین و آسمان میں گراں ہو رہی ہے' وہ تمہارے پاس اچانک ہی آ جائے گی' اس طرح تجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ گویا تو اس سے واقف ہے' صاف کہدے کہ اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ○

قیامت کب اور کس وقت؟ ☆☆ (آیت:۱۸۷) یہ دریافت کرنے والے قریشی بھی تھے اور یہودی بھی لیکن چونکہ یہ آیت مکی ہے اسلئے ٹھیک یہی ہے کہ قریشیوں کا سوال تھا چونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے' اس لیے اس قسم کے سوال کیا کرتے تھے کہ اگر سچے ہو تو اس کا ٹھیک وقت بتا دو' ادھر بے ایمان اس کی جلدی مچا رہے ہیں' ادھر ایماندار اسے حق جان کر اس سے ڈر رہے ہیں' بات یہ ہے کہ جنہیں اس میں بھی شک ہے دور دراز کی گمراہی میں تو وہی ہیں۔ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت واقع کب ہو گی؟ جواب سکھایا گیا کہ اس کے صحیح وقت کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں' وہی اس کے صحیح وقت سے واقف ہے' بجز اس کے کسی کو اس کے واقع ہونے کا وقت معلوم نہیں' اس کا علم زمین و آسمان پر بھی بھاری ہے' ان کی رہنے والی ساری مخلوق اس علم سے خالی ہے' وہ جب آئے گی' سب پر ایک ہی وقت واقع ہو گی' سب کو ضرر پہنچے گا' آسمان پھٹ جائے گا ستارے جھڑ جائیں گے' سورج بے نور ہو جائے گا' پہاڑ اڑنے لگیں گے' اسی لیے وہ ساری مخلوق پر گراں گذر رہی ہے' اس کے واقع ہونے کے صحیح وقت کا علم ساری مخلوق پر بھاری ہے' زمین و آسمان والے سب اس سے عاجز اور بے خبر ہیں' وہ تو اچانک سب کی بے خبری میں ہی آ جائے گی' کوئی بزرگ سے بزرگ فرشتہ' کوئی بڑے سے بڑا پیغمبر بھی اس کے آنے کے وقت کا عالم نہیں' وہ تو سب کی بے خبری میں ہی آ جائے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں' دنیا کے تمام کام حسب دستور ہو رہے ہوں گے' جانوروں والے اپنے جانوروں کے پانی پینے والے حوض درست کر رہے ہوں گے' تجارت والے ناپ تول میں مشغول ہوں گے' قیامت آ جائے گی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قیامت قائم ہونے سے پہلے سورج مغرب سے نکلے گا' اسے دیکھتے ہی سب لوگ ایمان قبول کر لیں گے' لیکن اس وقت کا ایمان ان کے لیے بے سود ہوگا' جو اس سے پہلے ایمان نہ لائے ہوں اور جنہوں نے اس سے پہلے نیکیاں نہ کی ہوں۔ قیامت اس طرح دفعتاً آ جائے گی کہ ایک شخص کپڑا پھیلائے دوسرے کو دکھا رہا ہوگا اور دوسرا دیکھ رہا ہوگا' بھاؤ تاؤ ہو رہا ہوگا کہ قیامت واقع ہو جائے گی' نہ یہ خرید و فروخت کر سکیں گے' نہ کپڑے کی تہہ کر سکیں گے' کوئی دودھ دوہ کر آ رہا ہوگا' پی نہ سکے گا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی حوض درست کر رہا ہو گا' ابھی جانوروں کو پانی نہ پلا چکا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی' کوئی لقمہ اٹھائے ہوئے ہوگا' ابھی منہ میں نہ ڈالا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی۔

صحیح مسلم شریف میں ہے' آدمی دودھ کا کٹورا (برتن) اٹھا کر پینا چاہتا ہوگا' ابھی منہ سے نہ لگا پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی' کپڑے کے خریدار ابھی سودا نہ کر چکے ہوں گے کہ قیامت آ جائے گی' حوض والے ابھی لیپا پوتی کر رہے ہوں گے کہ قیامت برپا ہو جائے گی۔ تجھ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا تو ان کا سچا رفیق ہے' یہ تیرے پکے دوست ہیں' اس طرح پوچھتے ہیں گویا کہ تجھے اس کا حال معلوم ہے' حالانکہ کسی مقرب فرشتے یا نبی یا رسول کو اس کا علم ہرگز نہیں۔ قریشیوں نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور ہم تو آپ کے قرابتدار ہیں' ہمیں تو بتا دیجیے کہ قیامت کب اور کس دن کس سال آئے گی؟ اس طرح پوچھا کہ گویا آپ کو معلوم ہے' حالانکہ اس کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے جیسے فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یہی معنی زیادہ ترجیح والے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی جب اعرابی کا روپ دھار کر سائل کی شکل میں آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھا' تو آپؐ نے صاف جواب دیا کہ اس کا علم نہ مجھے ہے' نہ تجھے' اس سے پہلے کے سوالات آپ بتا چکے تھے' اس سوال کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر کے پھر سورہ لقمان کی آخری آیت پڑھی کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا' یعنی علم قیامت' بارش کا آنا' مادہ کے پیٹ کے بچے کا حال' کل کے حالات' موت کی جگہ' ہاں جب انہوں نے اس کی علامتیں پوچھیں تو حضورؐ نے بتا دیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کو تلاوت فرمایا' جبکہ جبرئیلؑ آپ کے ہر جواب پر یہی فرماتے جاتے تھے کہ آپ نے سچ فرمایا' ان کے چلے جانے کے بعد صحابہؓ نے تعجب سے پوچھا کہ حضورؐ یہ کون صاحب تھے؟ آپ نے فرمایا جبرئیل تھے' تمہیں دین سکھانے آئے تھے جب کبھی وہ میرے پاس جس شکل میں بھی آئے' میں نے انہیں پہچان لیا' لیکن اس مرتبہ تو میں خود اب تک نہ پہچان سکا تھا۔ (الحمد للہ میں نے اس کے تمام طریقے کل سندوں کے ساتھ پوری بحث کر کے بخاری شریف کی شرح کے اول میں ہی ذکر کر دیئے ہیں) ایک اعرابی نے آ کر باآواز بلند آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا' آپ نے اسی طرح جواب دیا' اس نے کہا' قیامت کب ہوگی؟ آپ نے فرمایا' وہ آنے والی تو قطعاً ہے' تو بتا' تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ روزے نماز تو میرے پاس زیادہ نہیں البتہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت سے اپنے دل کو لبریز پاتا ہوں' آپ نے فرمایا انسان اسی کے ہمراہ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہو' مومن اس حدیث کو سن کر بہت ہی خوش ہوئے کہ اس قدر خوشی انہیں اور کسی چیز پر نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ سے ایسا سوال کرے جس کی ضرورت نہ ہو تو آپ اسے وہ بات بتاتے جو اس سے کہیں زیادہ مفید ہو' اسی لئے اس سائل کو بھی فرمایا کہ وقت کا علم کیا فائدہ دے گا؟ ہو سکے تو تیاری کر لو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ اعرابی لوگ حضورؐ سے جب کبھی قیامت کے بارے میں سوال کرتے تو آپ جو ان میں سب سے کم عمر ہوتا'

اسے دیکھ کر فرماتے کہ اگر یہ اپنی طبعی عمر تک پہنچا تو اس کے بڑھاپے تک ہی تم اپنی قیامت کو پالو گے اس سے مراد ان کی موت ہے جو آخرت کے برزخ میں پہنچا دیتی ہے۔ بعض روایات میں ان کے اس قسم کے سوال پر آنحضرتؐ کا علی الاطلاق یہی فرمانا بھی مروی ہے کہ اس نوعمر کے بڑھاپے تک قیامت آ جائے گی یہ اطلاق بھی اسی تقلید پر محمول ہوگا یعنی مراد اس سے ان لوگوں کی موت کا وقت ہے وفات سے ایک ماہ قبل آپؐ نے فرمایا' تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو' اس کے صحیح وقت کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے' میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ اس وقت روئے زمین پر جتنے متنفس ہیں' ان میں سے ایک بھی سو سال تک باقی نہ رہے گا (مسلم) مطلب اس سے یہ ہے کہ سو سال تک اس زمانے کے موجود لوگوں سے یہ دنیا خالی ہو جائے گی۔

آپ فرماتے ہیں معراج والی شب میری ملاقات حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی' وہاں قیامت کے وقت کا ذکر چلا تو حضرت ابراہیمؑ کی طرف سب نے بات کو جھکا دیا' آپ نے جواب دیا کہ مجھے تو اس کا علم نہیں سب حضرت موسیٰؑ کی طرف متوجہ ہوئے یہی جواب وہاں سے ملا' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا' اس کے واقع ہونے کا وقت تو بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے فرما رکھا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے' میرے ساتھ دو شاخیں ہوں گی' وہ مجھے دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا آخر اللہ اسے میرے ہاتھوں ہلاک کرے گا یہاں تک کہ درخت اور پتھر بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے' آ' اور اسے قتل کر ڈال۔ جب اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کر دے گا' تب لوگ اپنے شہروں اور وطنوں کو لوٹیں گے' اس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے جو کودتے پھلانگتے چاروں طرف پھیل جائیں گے' جہاں سے گذریں گے' تباہی پھیلا دیں گے' جس پانی سے گذریں گے' سب پی جائیں گے' آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ تعالیٰ سب کو ہلاک کر دے گا' ان کی لاشوں کی سڑاند پھیلے گی جس سے لوگ تنگ آ جائیں گے' اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال آئے گی۔ پھر تو پہاڑ اڑنے لگیں گے اور زمین سکڑنے لگے گی' جب یہ سب کچھ ظاہر ہو گا اس وقت قیامت ایسی قریب ہو گی جیسی پورے دن والی حاملہ عورت کے بچہ جننے کا زمانہ قریب ہوتا ہے کہ گھر کے لوگ ہوشیار رہتے ہیں کہ نہ جانے دن کو پیدا ہو جائے یا رات کو۔ (ابن ماجہ مسند وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم کسی رسول کو بھی نہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کی علامات بیان فرماتے ہیں' نہ کہ مقررہ وقت' اس لئے کہ آپ احکام رسول اللہ ﷺ کے جاری کرنے اور دجال کو قتل کرنے اور اپنی دعا کی برکت سے یاجوج ماجوج کو ہلاک کرنے کے لئے اس امت کے آخر زمانے میں نازل ہوں گے جس کا علم اللہ نے آپ کو دے دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے قیامت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا' اس کا علم اللہ کے پاس ہی ہے سوائے اس کے اسے اور کوئی نہیں جانتا' ہاں میں تمہیں اس کی شرطیں بتلاتا ہوں اس سے پہلے بڑے بڑے فتنے اور لڑائیاں ہوں گی' لوگوں کے خون ایسے سفید ہو جائیں گے کہ گویا کوئی کسی کو جانتا پہچانتا ہی نہیں (مسند) آپ اس آیت کے اترنے سے پہلے بھی اکثر قیامت کا ذکر فرماتے رہا کرتے تھے۔ پس غور کر لو کہ یہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الرسل ہیں' خاتم الانبیاء ہیں' نبی الرحمہ ہیں' نبی اللہ ہیں الملحمہ ہیں' عاقب ہیں' مقفی ہیں' حاشر ہیں' جن کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا' جن کا فرمان ہے کہ میں اور قیامت اس طرح آئے ہیں اور آپ نے اپنی دونوں انگلیاں جوڑ کر بتائیں' یعنی شہادت کی انگلی اور اس کے پاس کی انگلی' لیکن باوجود اس کے قیامت کا علم آپ کو نہ تھا' آپ سے جب سوال ہوا تو یہی حکم ملا' جواب دو کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے' لیکن اکثر لوگ بے علم ہیں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ
كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ڔ وَمَا مَسَّنِيَ
السُّوْۗءُ ڔ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸ ع ۲۴/۷/۱۴

کہہ دے کہ میں تو اپنی جان کے بھی کسی فائدے نقصان کا اختیار نہیں رکھتا' وہی ہو کر رہتا ہے جو اللہ چاہے' اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت سا فائدہ (اکٹھا) کر لیتا اور کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا' میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں' ان لوگوں کو جو ایمان لائیں ○

نبی ﷺ کو علم غیب نہیں تھا: ☆☆ (آیت:۱۸۸) اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ تمام کام اللہ کے سپرد کریں اور صاف کہہ دیں کہ غیب کی کسی بات کا مجھے علم نہیں' میں تو صرف وہ جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے معلوم کرادے۔ جیسے سورہ جن میں ہے کہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا' مجھے اگر غیب کی اطلاع ہوتی تو میں اپنے لئے بہت سی بھلائیاں سمیٹ لیتا۔ مجاہدؒ سے مروی ہے کہ اگر مجھے اپنی موت کا علم ہوتا تو نیکیوں میں بھی سبقت لے جاتا' لیکن یہ قول غور طلب ہے کیونکہ حضورؐ کے اعمال دائمی تھے' جو نیکی ایک بار کرتے' پھر اسے معمول بنا لیتے' ساری زندگی اور زندگی کا ہر ایک دن بلکہ ہر ایک گھڑی ایک ہی طرح کی تھی' گویا کہ آپ کی نگاہیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف لگی رہتی تھیں' زیادہ سے زیادہ یہ بات یوں ہوسکتی ہے کہ دوسروں کو میں ان کی موت کے وقت سے خبردار کر کے انہیں اعمال نیک کی رغبت دلاتا۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ اچھا قول اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ میں مال جمع کر لیتا' مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس چیز کے خریدنے میں نفع ہے' میں اسے خرید لیتا' جانتا کہ اس کی خریداری میں نقصان ہے نہ خریدتا خشک سالی کیلئے تر سالی میں ذخیرہ جمع کر لیتا' ارزانی کے وقت گرانی کے علم سے سودا جمع کر لیتا' کبھی کوئی برائی مجھے نہ پہنچتی کیونکہ میں علم غیب سے جان لیتا کہ یہ برائی ہے تو میں پہلے سے ہی اس سے جتن کر لیتا' لیکن میں علم غیب نہیں جانتا اس لئے فقیری بھی مجھ پر آتی ہے' تکلیف بھی ہوتی ہے' مجھ میں تم یہ وصف نہ مانو' سنو مجھ میں وصف یہ ہے کہ میں برے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں' ایمانداروں کو جنت کی خوش خبری سناتا ہوں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ہم نے اسے تیری زبان پر آسان کر دیا ہے کہ تو پرہیزگاروں کو خوشخبری سنادے اور بروں کو ڈرادے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ
اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ
فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰

اسی نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے' اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ اس سے سکون حاصل کرے' جب مرد عورت سے ملا تو اسے ہلکا سا بوجھ رہ گیا جسے وہ لئے پھرتی رہی' پھر جب زیادہ بوجھل ہوگئی تو دونوں اللہ سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عنایت فرمائے گا تو ہم یقیناً تیرے شکر گذاروں میں

ہو جائیں گے ○ پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شائستہ اولاد بخشی تو وہ اللہ کی اس دین میں اس کے شریک ٹھہرانے لگے‘ سو ان کے اس شرک کرنے سے اللہ کی شان بہت ہی بلند ہے ○

ایک ہی باپ ایک ہی ماں اور تمام نسل آدم: ☆☆ (آیت:۱۸۹-۱۹۰) تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے صرف حضرت آدم علیہ السلام سے ہی پیدا کیا‘ انہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا‘ پھر ان دونوں سے نسل انسان جاری کی۔ جیسے فرمان ہے یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی الخ لوگو ہم نے تمہیں ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے‘ پھر تمہارے کنبے اور قبیلے بنا دیئے تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے رہو اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ذی عزت وہ ہے جو پرہیزگاری میں سب سے آگے ہے۔ سورۂ نساء کے شروع میں ہے‘ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا ہے‘ انہی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا‘ پھر ان دونوں میاں بیوی سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔ یہاں فرماتا ہے کہ انہی سے ان کی بیوی کو بنایا تا کہ یہ آرام اٹھائیں چنانچہ ایک اور آیت میں ہے لِتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً لوگو یہ بھی اللہ کی ایک مہربانی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں بنا دیں تا کہ تم ان سے سکون و آرام حاصل کرو اور اس نے تم میں باہم محبت و الفت پیدا کر دی‘ پس یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چاہت ہے جو میاں بیوی میں وہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے جادوگروں کی برائی بیان کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا کہ وہ اپنی مکاریوں سے میاں بیوی میں جدائی ڈلوا دیتے ہیں۔ عورت مرد کے ملاپ سے بحکم الٰہی عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے‘ جب تک وہ نطفے‘ خون اور لوتھڑے کی شکل میں ہوتا ہے‘ ہلکا سا رہتا ہے‘ وہ برابر اپنے کام کاج میں آمد و رفت میں لگی رہتی ہے‘ کوئی ایسی زیادہ تکلیف اور بار نہیں معلوم ہوتا اور اندر ہی اندر وہ برابر بڑھتا رہتا ہے‘ اسے تو یونہی کبھی کچھ وہم سا ہوتا ہے کہ شاید کچھ ہو‘ کچھ وقت یونہی گذر جانے کے بعد بوجھ معلوم ہونے لگتا ہے‘ حمل ظاہر ہو جاتا ہے‘ بچہ پیٹ میں بڑا ہو جاتا ہے‘ طبیعت تھکنے لگتی ہے‘ اب ماں باپ دونوں اللہ سے دعائیں کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں صحیح سالم بیٹا عطا فرمائے تو ہم شکرگذاری کریں گے‘ ڈر لگتا ہے کہ کہیں کچھ اور بات نہ ہو جائے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی اور صحیح سالم انسانی شکل و صورت کا بچہ عطا فرمایا تو اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں۔ مفسرین نے اس جگہ بہت سے آثار و احادیث بیان کی ہیں جنہیں میں یہاں نقل کرتا ہوں اور ان میں جو بات ہے‘ وہ بھی بیان کروں گا‘ پھر جو بات صحیح ہے‘ اسے بتاؤں گا ان شاءاللہ۔

مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت حوا کو اولاد ہوئی تو ابلیس گھومنے لگا‘ ان کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے‘ شیطان نے سکھایا کہ اب اس کا نام عبدالحارث رکھ دے تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور یہی ہوا اور اصل میں یہ شیطانی حرکت تھی اور اسی کا حکم تھا۔ امام ترمذیؒ نے اسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ میں کہتا ہوں‘ اس حدیث میں کئی کمزوریاں ہیں‘ ایک تو یہ کہ اس کے ایک راوی عمر بن ابراہیم مصری کی بابت امام ابوحاتم رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ایسا نہیں کہ اس سے حجت پکڑی جائے گو امام ابن معینؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔ لیکن ابن مردویہؒ نے اسے معتمرؒ سے‘ اس نے اپنے باپ سے‘ اس نے سمرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ (واللہ اعلم) دوسرے یہ کہ یہی روایت موقوفاً حضرت سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہوئی ہے جو کہ مرفوع نہیں۔

ابن جریر میں خود حضرت سمرہ بن جندبؓ کا اپنا فرمان ہے کہ حضرت آدمؑ نے اپنے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھا۔ تیسرے اس آیت کی تفسیر‘ اس کے راوی حضرت حسن سے اس کے علاوہ بھی مروی ہے‘ ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے‘ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں‘ حضرت آدمؑ کا واقعہ نہیں بلکہ بعض مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان منقول ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں‘ فرماتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ کا فعل بیان

ہوا ہے کہ اپنی اولادوں کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ یہ سب اسناد حضرت حسنؒ تک بالکل صحیح ہیں اور اس آیت کی جو کچھ تفسیر کی گئی ہے اس میں سب سے بہتر تفسیر یہی ہے۔ خیر مقصد یہ تھا کہ اتنا بڑا متقی اور پرہیزگار آدمی ایک آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث قول پیغمبرؐ روایت کرے پھر اس کے خلاف خود تفسیر کرے یہ بالکل ان ہونی بات ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ وہ حضرت سمرہؓ کا اپنا قول ہے۔ اس کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت سمرہؓ نے اسے اہل کتاب سے ماخوذ کیا ہو جیسے کعب وہب وغیرہ جو مسلمان ہو گئے تھے اس کا بیان بھی سنئے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت حواؑ کے جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کا نام عبداللہ عبیداللہ وغیرہ رکھتی تھیں وہ بچے فوت ہو جاتے تھے پھر ان کے پاس ابلیس آیا اور کہا اگر تم کوئی اور نام رکھو تو تمہارے بچے زندہ رہیں گے چنانچہ ان دونوں نے یہی کیا جو بچہ پیدا ہوا اس کا نام عبدالحارث رکھا اس کا بیان ان آیات میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے دو بچے اس سے پہلے مر چکے تھے اب حالت حمل میں شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہیں معلوم بھی ہے کہ تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟ ممکن ہے کوئی جانور ہی ہو ممکن ہے صحیح سالم ہوگا زندہ رہے گا یہ بھی اس کے بہکاوے میں آ گئے اور عبدالحارث نام رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔

اور روایت میں ہے کہ پہلی دفعہ حمل کے وقت یہ آیا اور انہیں ڈرایا کہ میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکلوایا اب یا تو تم میری اطاعت کرو ورنہ میں اسے یہ کر ڈالوں گا وہ کر ڈالوں گا وغیرہ ہر چند ڈرایا مگر انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی اللہ کی شان وہ بچہ مردہ پیدا ہوا دوبارہ حمل ٹھہرا تو یہ ملعون پھر آن پہنچا اور اسی طرح خوف زدہ کرنے لگا اب بھی انہوں نے اس کی اطاعت نہ کی چنانچہ یہ دوسرا بچہ بھی مردہ ہوا تیسرے حمل کے وقت یہ خبیث پھر آیا اس مرتبہ اولاد کی محبت میں آ کر انہوں نے اس کی بات مان لی اور اس کا نام عبدالحارث رکھا اسی کا بیان ان آیات میں ہے۔ ابن عباسؓ سے اس اثر کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے جیسے حضرت مجاہدؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت عکرمہؒ اور دوسرے طبقے میں سے قتادہؒ سدیؒ وغیرہ اس طرح سلف سے خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ اثر اہل کتاب سے لیا گیا ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباسؓ اسے ابی ابن کعب سے روایت کرتے ہیں جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے پس ظاہر ہے کہ یہ اہل کتاب کے آثار سے ہے جن کی بابت رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ان کی باتوں کو نہ سچی کہو نہ جھوٹی ان کی روایات تین طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن کی صحت ہمارے ہاں کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہے۔ دوسرا وہ جن کی تکذیب کسی آیت یا حدیث سے ہوتی ہو۔ تیسرا وہ جس کی بابت کوئی ایسا فیصلہ ہمارے دین میں نہ ملے تو بقول حضور ﷺ اس روایت کے بیان میں تو کوئی حرج نہیں لیکن تصدیق تکذیب جائز نہیں۔ میرے نزدیک تو یہ اثر دوسری قسم کا ہے یعنی ماننے کے قابل نہیں اور جن صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ مروی ہے انہوں نے اسے تیسری قسم کا سمجھ کر روایت کر دیا ہے۔ لیکن ہم تو وہی کہتے ہیں جو حضرت امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکوں کا اپنی اولاد کے معاملے میں اللہ کے ساتھ کرنے کا بیان ان آیات میں ہے نہ کہ حضرت آدم وحوا کا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اس شرک سے اور ان کے شریک ٹھہرانے سے بلند و بالا ہے۔ ان آیات میں یہ ذکر اور ان سے پہلے آدم وحوا کا ذکر مثل تمہید کے ہے کہ ان اصلی ماں باپ کا ذکر کر کے پھر اور ماں باپوں کا ذکر ہوا اور ان ہی کا شرک بیان ہوا ذکر شخص سے ذکر جنس کی طرف استطراد کے طور پر جیسے آیت وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ میں ہے یعنی ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انہیں شیطانوں پر انگارے برسانے والا بنایا اور یہ ظاہر ہے کہ جو ستارے زینت کے ہیں وہ جھڑتے نہیں ان سے شیطانوں کو مار نہیں پڑتی۔ یہاں بھی استطراد تاروں کی شخصیت سے تاروں کی جنس کی طرف ہے اس کی اور بھی بہت سی مثالیں قرآن کریم میں موجود

ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

کیا یہ لوگ انہیں اللہ کا شریک مقرر کر رہے ہیں جو کسی چیز کے خالق نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں O اپنے پوجنے والوں کی مدد کی نہ تو انہیں طاقت ہے اور نہ ہی وہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں O

انسان کا المیہ خود معبود سازی اور اللہ سے دوری ہے: ☆☆ (آیت: ۱۹۱-۱۹۲) جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں' وہ سب اللہ کے ہی بنائے ہوئے ہیں وہی ان کا پالنے والا ہے وہ بالکل بے اختیار ہیں' کسی نفع نقصان کا انہیں' اختیار نہیں' وہ اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ تو ہل جل بھی نہیں سکتے' دیکھ اور سن بھی نہیں سکتے' ان بتوں سے تو ان کے پجاری ہی توانا' تندرست اور اچھے ہیں کہ ان کی آنکھیں بھی ہیں' کان بھی ہیں' یہ بے قوف تو انہیں پوجتے ہیں جنہوں نے ساری مخلوق میں سے ایک چیز کو بھی پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو آؤ ایک لطیف مثال سنو' تم جنہیں پکار رہے ہو' یہ سارے ہی جمع ہو کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو ان کی طاقت سے خارج ہے' بلکہ ان کی کمزوری تو یہاں تک ہے کہ کوئی مکھی ان کی کسی چیز کو چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں کر سکتے' طلب کرنے والے اور جن سے طلب کی جا رہی ہے' بہت ہی بودے ہیں۔ تعجب ہے کہ اتنے کمزوروں کی عبادت کی جاتی ہے جو اپنا حق بھی ایک مکھی سے نہیں لے سکتے' وہ تمہاری روزیوں اور مدد پر کیسے قادر ہوں گے؟

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ
اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ
بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ
بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

بلکہ اگر تم انہیں سیدھی بات کی طرف بلاؤ تو وہ تو اس میں بھی تمہاری تابعداری نہیں کر سکتے' تمہارا انہیں بلانا اور چپ رہنا دونوں ہی برابر ہے O تم جنہیں بھی اللہ کے سوا پکار رہے ہو' وہ سب تم جیسے ہی اللہ کے غلام ہیں' اچھا اگر تم سچے ہو تو انہیں بلواؤ اور یہ تمہاری دعائیں قبول تو کر لیں؟ O کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکتے ہوں؟ یا ان کی آنکھیں ہیں ایسی کہ ان سے دیکھ سکتے ہیں' یا ان کے ایسے کان ہیں جن سے سن لیتے ہیں؟ کہہ دے کہ اچھا تم اپنے سب شریکوں کو بلا لو پھر میرے حق میں مکر و فریب کر لو اور مجھے مہلت دو O

(آیت: ۱۹۲-۱۹۴) حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم خود ہی گھڑتے اور بناتے ہو؟ وہ نہ تو اپنے پجاریوں کی مدد کر سکتے ہیں نہ خود اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں' یہاں تک کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے

انہیں توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لیکن ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنے آپ کو ان کے ہاتھ سے بچا لیتے' ہاتھ میں تبر لے کر سب کا چورا کر دیا اور ان معبودان باطل سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ کسی طرح اپنا بچاؤ کر لیتے۔

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی حضرت معاذ بن عمرو بن جموح اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما یہی کام کرتے تھے کہ رات کے وقت چپکے سے جا کر مشرکین کے بت توڑ آتے اور جو لکڑی کے ہوتے' انہیں توڑ کر بیوہ عورتوں کو دے دیتے کہ وہ اپنا ایندھن بنا لیں اور قوم کے بت پرست عبرت حاصل کریں' خود حضرت معاذؓ کا باپ عمرو بن جموح بھی بت پرست تھا' یہ دونوں نوجوان دوست وہاں بھی پہنچتے اور اس بت کو پلیدی سے آلودہ کر آتے' جب یہ آتا تو اپنے معبود کو اس حالت میں دیکھ کر بہت پیچ و تاب کھاتا' پھر دھوتا' پھر اس پر خوشبو ملتا' ایک مرتبہ اس نے اس کے پاس تلوار رکھ دی اور کہا دیکھ آج تیرا دشمن آئے تو اس تلوار سے اس کا کام تمام کر دینا' یہ اس رات بھی پہنچے اور اس کی درگت کر کے پاخانے سے لیپ کر کے چلے آئے مگر تاہم اسے اثر نہ ہوا' صبح کو اسی طرح اس نے اسے دھو دھا کر ٹھیک ٹھاک کر کے خوشبو لگا کر بٹھا کر ڈنڈوت کی یعنی (اٹھک بیٹھک) کی۔ جب ان دونوں نے دیکھا کہ کسی طرح یہ نہیں مانتا تو ایک رات اس بت کو اٹھا لائے اور ایک کتے کا پلا جو مردار پڑا تھا' اس کے گلے میں باندھ دیا اور محلے کے ایک کنویں میں ڈال دیا صبح اس نے اپنے بت کو نہ پا کر تلاش کیا تو کنویں میں اسے نظر آیا کہ کتے کے مردہ بچے کے ساتھ پڑا ہوا ہے' اب اسے بت سے اور بت پرستی سے نفرت ہو گئی اور اس نے کہا

تاللہ لو کنت الھا مستدن لم تک والکلب جمیعا فی قرن

یعنی اگر تو سچ مچ معبود ہوتا تو کنویں میں کتے کے پلے کے ساتھ پڑا ہوا نہ ہوتا۔ پھر نبی کریم ﷺ ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو گئے' پھر تو اسلام میں پورے پکے ہو گئے' احد کی لڑائی میں شریک ہوئے اور کفار کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل جنت الفردوس مأواہ انہیں اگر بلایا جائے تو یہ قبول کرنا تو درکنار' سن بھی نہیں سکتے' محض پتھر ہیں' بے جان ہیں' بے آنکھ اور بے کان ہیں جیسے کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد! آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں' جو نہ سنیں' نہ دیکھیں' نہ تجھے کوئی نفع پہنچا سکیں' نہ تیرے کسی کام آ سکیں' انہیں پکارنا اور نہ پکارنا دونوں برابر ہیں' یہ تو تم جیسے ہی بے بس اور اللہ کی مخلوق ہیں' بتاؤ تو کبھی انہوں نے تمہاری فریاد رسی کی ہے؟ یا کبھی تمہاری دعا کا جواب دیا ہے؟ حقیقت میں ان سے افضل و اعلیٰ تو تم خود ہو' تم سنتے' دیکھتے' چلتے پھرتے' بولتے چالتے ہو' یہ تو اتنا بھی نہیں کر سکتے' اچھا تم ان سے میرا کچھ بگاڑنے کی درخواست کرو' میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر ان سے ہو سکے تو بلا تامل اپنی پوری طاقت سے جو میرا بگاڑ سکتے ہوں بگاڑ لیں۔

إِنَّ وَلِـِّۧيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

میرا کارساز تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی ہے' وہ اپنے نیک بندوں کی حمایت کرتا رہتا ہے ○ اور اس اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے ہو' وہ تمہاری حمایت کی کوئی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ تو خود اپنی جانوں کی بھی مدد نہیں کر سکتے ○ اور اگر تم انہیں راہ راست کی طرف بلاؤ تو وہ نہیں سنتے' گو وہ تجھے بظاہر تیری طرف

دیکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل دیکھتے بھالتے نہیں ○

(آیت:۱۹۶-۱۹۸) سنو میں تو اللہ کو اپنا حمایتی اور مددگار سمجھتا ہوں' وہی میرا بچانے والا ہے اور وہ مجھے کافی وافی ہے' اس پر میرا بھروسہ ہے' اسی سے میرا لگاؤ ہے' میں ہی نہیں' ہر نیک بندہ یہی کرتا ہے اور وہ بھی اپنے تمام سچے غلاموں کی نگہبانی اور حفاظت کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا' میرے بعد بھی ان سب کا نگران اور محافظ وہی ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام سے آپ کی قوم نے کہا کہ ہمارا تو خیال ہے کہ تو جو ہمارے معبودوں پر ایمان نہیں رکھتا' اسی سبب سے انہوں نے تجھے ان مشکلات میں ڈال دیا ہے' اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا' سنو تم کو اور اللہ کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے تمام معبودوں سے بری اور بیزار اور ان سب کا دشمن ہوں' تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو تو بگاڑ لو' تمہیں بھی قسم ہے جو ذرا سی کوتاہی کرو' میرا توکل اللہ کی ذات پر ہے' تمام جانداروں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اور میرا رب ہی سچی راہ پر ہے۔ حضرت خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا تھا کہ تم اور تمہارے بزرگ جن کی تم پرستش کرتے ہو' میں ان سب کا دشمن ہوں اور وہ مجھ سے دور ہیں سوائے اس رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری رہبری کی' آپ نے اپنے والد اور قوم سے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے معبودان باطل سے بری اور بیزار ہوں' سوائے اس سچے معبود کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے' وہی میری رہبری کرے گا۔ ہم نے اسی کلمے کو اس کی نسل میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ دیا تا کہ لوگ اپنے باطل خیالات سے ہٹ جائیں۔ پہلے تو غائبانہ فرمایا تھا' پھر اور تاکید کے طور پر خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جن جن کو اللہ کے سوا تم پکارتے ہو' وہ تمہاری امداد نہیں کر سکتے اور نہ وہ خود اپنا ہی کوئی نفع کر سکتے ہیں' یہ تو سن ہی نہیں سکتے' تجھے تو یہ آنکھوں والے دکھائی دیتے ہیں' لیکن دراصل ان کی اصلی آنکھیں ہی نہیں کہ کسی کو دیکھ سکیں۔ جیسے فرمان ہے کہ اگر تم انہیں پکارو تو وہ سنتے نہیں چونکہ وہ تصاویر اور بت ہیں' ان کی مصنوعی آنکھیں ہیں' محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھ رہے ہیں' لیکن دراصل دیکھ نہیں رہے' چونکہ وہ پتھر بصورت انسان ہیں' اس لئے ضمیر بھی ذی العقول کی لائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے' یہی امام ابن جریر اور قتادہؒ کا قول ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

درگذر کرنے کا شیوہ اختیار کر اور نیکیوں کا حکم کرتا رہ اور نادانوں سے چشم پوشی کر ○ اور اگر کوئی شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ کی پناہ طلب کر لیا کر' بیشک وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○

اچھے اعمال کی نشاندہی: ☆☆ (آیت:۱۹۹-۲۰۰) ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مطلب یہ ہے کہ ان سے وہ مال لے جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اور جسے یہ بخوشی اللہ کی راہ میں پیش کریں' پہلے چونکہ زکوۃ کے احکام تفصیل کے ساتھ نہیں اترے تھے اس لیے یہی حکم تھا۔ یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ضرورت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرو۔ یہ بھی مطلب ہے کہ مشرکین سے بدلہ نہ لو' دس سال تک تو یہی حکم رہا کہ درگذر کرتے رہو' پھر جہاد کے احکام اترے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ لوگوں کے اچھے اخلاق اور عمدہ عادات جو ظاہر ہوں' انہی پر نظر رکھو' ان کے باطن نہ ٹٹولو' تجسس نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حدیث میں ہے کہ اس

آیت کو سن کر حضرت جبرئیلؑ سے آپ نے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے درگذر کر' جو تجھے نہ دے تو اس کے ساتھ بھی احسان وسلوک کر' جو تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس کے ساتھ بھی تعلق رکھ۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا اور آپ کا ہاتھ تھام کر درخواست کی کہ مجھے افضل اعمال بتایئے' آپ نے فرمایا جو تجھ سے توڑے تو اس سے بھی جوڑ' جو تجھ سے روکے تو اسے دے' جو تجھ پر ظلم کرے تو اس پر بھی رحم کر۔ اوپر والی روایت مرسل اور یہ روایت ضعیف ہے۔ عرف سے مراد نیک ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ عینیہ بن حصن بن حذیفہ اپنے بھائی حر بن قیس کے ہاں آ کے ٹھہرا' حضرت حر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص درباریوں میں تھے' آپ کے درباری اور نزدیکی کا شرف صرف انہیں حاصل تھا جو قرآن کریم کے ماہر تھے خواہ وہ جوان ہوں خواہ بوڑھے' اس نے درخواست کی کہ مجھے آپ امیر المومنین عمر کے دربار میں حاضری کی اجازت دلوا دیجئے' آپ نے وہاں جا کر ان کے لیے اجازت چاہی' امیر المومنین نے اجازت دے دی' یہ جاتے ہی کہنے لگے' اے ابن خطاب تو ہمیں بکثرت مال بھی نہیں دیتا اور ہم میں عدل کے ساتھ فیصلے بھی نہیں کرتا' آپ کو یہ کلام بھی برا لگا' ممکن تھا کہ اسے اس کی اس تہمت پر سزا دیتے' لیکن اسی وقت حضرت حر نے کہا' اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ عفو و درگذر کی عادت رکھ' اچھائیوں کا حکم کرتا رہ اور جاہلوں سے چشم پوشی کر' امیر المومنین یقین کیجئے یہ نرا جاہل ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت کا امیر المومنین کے کان میں پڑنا تھا کہ آپ کا تمام رنج و غم و غصہ و غضب جاتا رہا' آپ کی یہ تو عادت ہی تھی کہ ادھر اللہ کا نام سنا' ادھر گردن جھکا دی۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کا ذکر ہے کہ آپ نے شامیوں کے ایک قافلے کو دیکھا' جس میں گھنٹی تھی تو آپ نے فرمایا' یہ گھنٹیاں منع ہیں' انہوں نے کہا کہ ہم اس مسئلے کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں' بڑی بڑی گھنٹیوں سے منع ہے' اس جیسی چھوٹی گھنٹیوں میں کیا حرج ہے؟ حضرت سالم نے آیت کا آخری جملہ پڑھ کر ان جاہلوں سے چشم پوشی کر لی۔ عرف' معروف' عارف' عارفہ' سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ اس میں ہر اچھی بات کی اطاعت کا ذکر آ گیا۔ پھر حکم دیا کہ جاہلوں سے منہ پھیر لیا کر۔ گو یہ حکم آپ کو ہے لیکن دراصل تمام بندوں کو یہی حکم ہے' مطلب یہ ہے کہ تکلیف برداشت کر لیا کرو' تکلیف دہی کا خیال بھی نہ کرو' یہ معنی نہیں کہ دین حق کے معاملے میں جو جہالت سے پیش آئے' تم سے کچھ نہ کہو' مسلمانوں سے جو کفر پر جم کر مقابلہ کرے' تم اسے کچھ نہ کہنا' یہ مطلب اس جملے کا نہیں۔ یہ وہ پاکیزہ اخلاق ہیں جن کا مجسم عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ کسی نے اسی مضمون کو اپنے شعروں میں باندھا ہے۔

خذ العفو وامر بعرف کما امرت واعرض عن الجاهلین
ولن فی الکلام بکل الانام . فمستحسن من ذوی الجاهلین

یعنی درگذر کیا کر' بھلی بات بتا دیا کر' جیسے کہ تجھے حکم ہوا ہے' نادانوں سے ہٹ جایا کر' ہر ایک سے نرم کلامی سے پیش آیا کر' یاد رکھ کہ عزت وجاہ پر پہنچ کر نرم اور خوش اخلاق رہنا ہی کمال ہے۔ بعض مسلمانوں کا مقولہ ہے کہ لوگ دو طرح کے ہیں' ایک تو بھلے اور محسن' جو احسان وسلوک کریں' قبول کر لے اور ان کے سر نہ ہو جا کہ ان کی وسعت سے زیادہ ان پر بوجھ ڈال دے۔ دوسرے بد اور ظالم' انہیں نیکی اور بھلائی کا حکم دے' پھر بھی اگر وہ اپنی جہالت پر اور بدکرداری پر اڑے رہیں اور تیرے سامنے سرکشی اختیار کریں' تو تو ان سے روگردانی کر لے' یہی چیز اسے اس کی برائی سے ہٹا دے گی۔ جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ الخ' بہترین طریق سے دفع کر دو تو تمہارے دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے' لیکن یہ انہی سے ہو سکتا ہے جو صابر ہوں اور نصیبوں والے ہوں۔ اس کے بعد شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا

حکم ہوا' اس لیے کہ وہ سخت ترین دشمن ہے اور ہے بھی احسان فراموش۔ انسانی دشمنوں سے بچاؤ تو عفو و درگذر اور سلوک و احسان سے ہو جاتا ہے' لیکن اس ملعون سے سوائے اللہ کی پناہ کے اور کوئی بچاؤ نہیں۔ یہ تینوں حکم جو سورہ اعراف کی ان تینوں آیات میں ہیں' یہی سورہ مومنون میں بھی ہیں اور سورہ حم السجدہ میں بھی ہیں۔ شیطان تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے دشمن انسان ہے' یہ جب غصہ دلائے' جوش میں لائے' فرمان الٰہی کے خلاف ابھارے' جاہلوں سے بدلہ لینے پر آمادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لیا کرو' وہ جاہلوں کی جہالت کو بھی جانتا ہے اور تیرے بچاؤ کی ترکیبوں کو بھی جانتا ہے' ساری مخلوق کا اسے علم ہے اور وہ تمام کاموں سے خبردار ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اگلے تین حکم سنے تو کہا' اے اللہ ان کاموں کے کرنے کے وقت تو شیطان ان کے خلاف بری طرح آمادہ کر دے گا اور نفس تو جوش انتقام سے پر ہوتا ہے' کہیں ان کی خلاف ورزی نہ ہو جائے تو یہ پچھلی آیت نازل ہوئی کہ ایسا کرنے سے شیطانی وسوسہ دفع ہو جائے گا اور تم اخلاق کریمانہ پر عامل ہو جاؤ گے۔ میں نے اپنی اسی تفسیر کے شروع میں ہی اعوذ کی بحث میں اس حدیث کو بھی وارد کیا ہے کہ دو شخص لڑ جھگڑ رہے تھے جن میں سے ایک سخت غضبناک تھا' حضورؐ نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ یاد ہے' اگر یہ کہہ لے تو ابھی یہ بات جاتی رہے' وہ کلمہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) ہے۔ کسی نے اس میں بھی ذکر کیا تو اس نے کہا کہ کیا میں کوئی دیوانہ ہو گیا ہوں؟ نزغ کے اصلی معنی فساد کے ہیں' وہ خواہ غصے سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔ فرمان قرآن ہے کہ میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ وہ بھلی بات زبان سے نکالا کریں' شیطان ان میں فساد کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ عیاذ کے معنی التجا اور استناد کے ہیں اور ملاذ کا لفظ طلب خیر کے لیے بولا جاتا ہے جیسے حسن بن ہانی کا شعر ہے۔

یامن الوذبہ فیما اوملہ ومن اعوذ بہ مما احاذرہ
لا یجبر الناس عظما انت کاسرہ ولا یھیضون عظما انت جابرہ

یعنی اے اللہ تو میری آرزوؤں کا مرکز ہے اور میرے بچاؤ اور پناہ کا مسکن ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جس ہڈی کو تو توڑنا چاہے' اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسے تو جوڑنا چاہے' اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ باقی احادیث جو تعوذ (اعوذ باللہ) کے متعلق تھیں' وہ ہم اپنی اس تفسیر کے شروع میں ہی لکھ آئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

پرہیزگار تو شیطانی وسوسے کے آتے ہی چوکنا ہو جاتے ہیں اور فوراً ہی دیکھ بھال کرنے لگتے ہیں ○ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں' انہیں تو شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لئے جاتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○

جو اللہ سے ڈرتا ہے' شیطان اس سے ڈرتا ہے: ☆☆ (آیت:۲۰۱-۲۰۲) طائف کی دوسری قرأت "طیف" ہے' یہ دونوں مشہور قرأتیں ہیں دونوں کے معنی ایک ہیں' بعض نے لفظی تعریف بھی کی ہے۔ فرمان ہے کہ وہ لوگ جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں' جنہیں اللہ کا ڈر ہے' جو نیکیوں کے عامل اور برائیوں سے رکنے والے ہیں' انہیں جب کبھی غصہ آ جائے' یا شیطان ان پر اپنا کوئی داؤ چلانا چاہے' یا ان کے دل میں کسی گناہ کی رغبت ڈالے اور ان سے کوئی گناہ کرانا چاہے تو اللہ کے عذاب سے بچنے میں جو ثواب ہے' یہ اسے بھی یاد کر لیتے ہیں' رب کے وعدے وعید کی یاد کرتے ہیں اور فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں' توبہ کر لیتے ہیں' اللہ کی طرف جھک جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے شیطانی شر سے پناہ

مانگنے لگتے ہیں اور اسی وقت اللہ کی جناب میں رجوع کرنے لگتے ہیں اور استقامت کے ساتھ صحت پر جم جاتے ہیں ابن مردویہ میں ہے کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی جسے مرگی کا دورہ پڑا کرتا تھا' اس نے درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعا کیجئے' آپؐ نے فرمایا' اگر تم چاہو تو میں دعا کروں اور اللہ تمہیں شفا بخشے اور اگر چاہو تو صبر کرو تو اللہ تم سے حساب نہ لے گا' اس نے کہا کہ حضورؐ میں صبر کرتی ہوں کہ میرا حساب معاف ہو جائے۔ سنن میں بھی یہ حدیث ہے کہ اس عورت نے کہا تھا کہ میں گر پڑتی ہوں اور بیہوشی کی حالت میں میرا کپڑا کھل جاتا ہے جس سے بے پردگی ہوتی ہے' اللہ سے میری شفا کی درخواست کیجئے' آپ نے فرمایا تم ان دونوں باتوں میں سے ایک کو پسند کر لو' یا تو میں دعا کروں اور تمہیں شفا ہو جائے' یا تم صبر کرو اور تمہیں جنت ملے' اس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں کہ مجھے جنت ملے' لیکن اتنی دعا تو ضرور کیجئے کہ میں بے پردہ نہ ہو جایا کروں' آپؐ نے دعا کی چنانچہ ان کا کپڑا کیسی ہی وہ تلملاتیں' اپنی جگہ سے نہ ہٹتا تھا۔ حافظ ابن عساکر رحمتہ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عمرو بن جامع کے حالات میں نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عابد مسجد میں رہا کرتا تھا اور اللہ کی عبادت کا بہت مشتاق تھا' ایک عورت نے اس پر ڈورے ڈالنے شروع کیے' یہاں تک کہ اسے بہکا لیا قریب تھا کہ وہ اس کے ساتھ کوٹھڑی میں چلا جائے اچانک اسے یہ آیت اِذَا مَسَّهُمْ الخ یاد آئی اور غش کھا کر گر پڑا بہت دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا' اس نے پھر اس آیت کو یاد کیا اور اس قدر اللہ کا خوف اس کے دل میں سمایا کہ اس کی جان نکل گئی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے والد سے ہمدردی اور غم خواری کی' چونکہ انہیں رات ہی کو دفن کر دیا گیا تھا' آپ ان کی قبر پر گئے' آپ کے ساتھ بہت سے آدمی تھے' آپ نے وہاں جا کر ان کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی' اور اسے آواز دے کر فرمایا' اے نوجوان! ولمن خاف مقام ربه جنتان جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے' اس کے لیے دو دو جنتیں ہیں' اسی وقت قبر کے اندر سے آواز آئی کہ مجھے میرے رب عزوجل نے وہ دونوں مرتبے دو دو عطا فرما دیئے' یہ تو تھا حال اللہ والوں کا اور پرہیزگاروں کا کہ وہ شیطانی جھٹکوں سے بچ جاتے ہیں' اس کے فن فریب سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اب ان کا حال بیان ہو رہا ہے جو خود شیطان کے بھائی بنے ہوئے ہیں' جیسے فضول خرچ لوگوں کو قرآن نے شیطان کے بھائی قرار دیا ہے' ایسے لوگ اس کی باتیں سنتے ہیں' مانتے ہیں اور ان پر ہی عمل کرتے ہیں' شیاطین ان کے سامنے برائیاں اچھے رنگ میں پیش کرتے ہیں' ان پر وہ آسان ہو جاتی ہیں اور یہ پوری مشغولیت کے ساتھ ان میں پھنس جاتے ہیں' دن بدن اپنی بدکاری میں بڑھتے جاتے ہیں' جہالت اور نادانی کی حد کر دیتے ہیں' نہ شیطان ان کے بہکانے میں کوتاہی برتتے ہیں' نہ یہ برائیاں کرنے میں کمی کرتے ہیں' یہ ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور وہ ان وسوسوں میں پھنستے رہتے ہیں' یہ انہیں بھڑکاتے اور گناہوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں' وہ برے عمل کیے جاتے ہیں اور برائیوں پر مداومت اور لذت کے ساتھ جمے رہتے ہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَىَّ مِنْ رَّبِّىْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

ان کے سامنے جب تو کوئی خاص معجزہ پیش نہیں کرتا تو وہ کہتے ہیں کہ تو اسے بھی اپنی طرف سے کیوں نہ چھانٹ لایا؟ تو جواب دے کہ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری جانب میرے پروردگار کی طرف سے وحی کی جاتی ہے' یہ قرآن بصارتوں والا تمہارے رب کی طرف کا موجود ہے جو ایمانداروں کے لئے سراسر ہدایت ورحمت ہے ○

سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے: ☆☆ (آیت: ۲۰۳) یہ لوگ کوئی معجزہ مانگتے اور آپ اسے پیش نہ کرتے تو کہتے کہ نبی ہوتا تو ایسا کر لیتا' بنالیتا' اللہ سے مانگ لیتا' اپنے آپ گھڑ لیتا' آسمان سے گھسیٹ لاتا' الغرض معجزہ طلب کرتے اور وہ طلب بھی سرکشی اور عناد کے ساتھ ہوتی۔ جیسے فرمان قرآن ہے اِنۡ نَّشَاۡ نُنَزِّلۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً الخ اگر ہم چاہتے تو کوئی نشان ان پر آسمان سے اتارے جس سے ان کی گردنیں جھک جاتیں۔ وہ لوگ حضورؐ سے کہتے رہتے تھے کہ جو ہم مانگتے ہیں' وہ معجزہ اپنے رب سے طلب کر کے ہمیں ضرور دکھا دیجئے' تو حکم دیا کہ ان سے فرما دیجئے کہ میں تو اللہ کی باتیں ماننے والا اور ان پر عمل کرنے والا وحی الٰہی کا تابع ہوں' میں اس کی جناب میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا' آگے نہیں بڑھ سکتا' جو حکم دے صرف اسے بجا لاتا ہوں' اگر کوئی معجزہ وہ عطا فرمائے' دکھا دوں' جو وہ ظاہر نہ فرمائے اسے میں نہیں لا سکتا' میرے بس میں کچھ نہیں' میں اس سے معجزہ طلب نہیں کیا کرتا' مجھ میں اتنی جرات نہیں' ہاں اس کی اجازت پا لیتا ہوں تو اس سے دعا کرتا ہوں' وہ حکمتوں والا اور علم والا ہے' میرے پاس تو میرے رب کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جو سب سے زیادہ واضح دلیل' سب سے زیادہ سچی حجت اور سب سے زیادہ روشن برہان ہے' جو حکمت' ہدایت اور رحمت سے پر ہے' اگر دل میں ایمان ہے تو اس اچھے سچے عمدہ اور اعلیٰ معجزے کے بعد دوسرے معجزے کی طلب باقی نہیں رہتی۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝

جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو تم اس کی طرف ہی کان لگائے رہو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے O

سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی: ☆☆ (آیت: ۲۰۴) چونکہ اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے بصیرت و بصارت ہے اور ساتھ ہی ہدایت اور رحمت ہے اس لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل وعلا حکم فرماتا ہے کہ اس کی عظمت واحترام کے طور پر اس کی تلاوت کے وقت کان لگا کر اسے سنو' ایسا نہ کرو جیسا کفار قریش نے کیا' وہ کہتے تھے لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ الخ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل مچا دو۔ اس کی اور زیادہ تاکید ہو جاتی ہے جبکہ فرض نماز میں امام با آواز بلند قرأت کرتا ہو۔ جیسے کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ امام اقتدا کئے جانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے' جب وہ تکبیر کہے' تم تکبیر کہو اور جب وہ پڑھے' تم خاموش رہو۔ اسی طرح سنن میں بھی یہ حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے امام مسلم بن حجاج رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور اپنی کتاب میں نہیں لائے (یہ یاد رہے کہ اس حدیث میں جو خاموش رہنے کا حکم ہے' یہ صرف اس قرأت کے لئے ہے الحمد (سورۃ فاتحہ) کے سوا ہو۔ جیسے کہ طبرانی کبیر میں صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو' وہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھ لے' پس سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور قرأت کے وقت خاموشی کا حکم ہے' واللہ اعلم۔ مترجم) اس آیت کے شان نزول کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ پہلے نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کر لیا کرتے تھے' تب یہ آیت اتری۔ اور دوسری آیت میں چپ رہنے کا حکم کیا گیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے ہم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے تھے' پس یہ آیت اتری' آپ نے ایک مرتبہ نماز میں لوگوں کو امام کے ساتھ ہی ساتھ پڑھتے ہوئے سن کر فارغ ہو کر فرمایا کہ تم اب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے' جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور چپ رہو جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے (واضح رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے میں اس سے مراد امام کے با آواز بلند الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت مقتدی کا خاموش رہنا ہے' نہ کہ پست آواز کی قرات والی نماز میں' اور

بلند آواز کی قرأت والی نماز میں الحمد سے خاموشی (مراد نہیں' کیونکہ) امام کے پیچھے الحمد تو خود آپ بھی پڑھا کرتے تھے جیسے کہ جزاء القراۃ بخاری میں ہے انه قرا فی العصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بام القران و سورۃ یعنی آپ نے امام کے پیچھے عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ الحمد بھی پڑھی اور دوسری سورت بھی ملائی' پس آپ کے مندرجہ بالا فرمان کا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی الحمد کے سوا دوسری قرأت کے وقت سنے اور چپ رہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس انصاری نوجوان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کی عادت تھی کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ قرآن سے کچھ پڑھتے' یہ بھی اسے پڑھتا' پس یہ آیت اتری۔ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس نماز سے فارغ ہو کر پلٹے جس میں آپ نے با آواز بلند قرأت پڑھی تھی' پھر پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا' ہاں یا رسول اللہ ﷺ' آپ نے فرمایا' میں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن کی چھینا جھپٹی ہو رہی ہے؟ راوی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں جن میں آپ اونچی آواز سے قرأت پڑھا کرتے تھے' قرأت سے رک گئے' جبکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا۔

امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں اور ابو حاتم رازی اس کی تصحیح کرتے ہیں (مطلب اس حدیث کا بھی یہی ہے کہ امام جب پکار کر قرأت پڑھے' اس وقت مقتدی سوائے الحمد کے کچھ نہ پڑھے کیونکہ ایسی ہی روایت ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' موطا امام مالک' مسند احمد وغیرہ میں ہے' جس میں ہے کہ جب آپ کے سوال کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا لا تفعلوا الا بفاتحة فانه لاصلوۃ لمن لم یقرأ بھا یعنی ایسا نہ کیا کرو' صرف سورہ فاتحہ پڑھو کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا' اس کی نماز نہیں ہوتی' پس لوگ اونچی آواز والی قرأت کی نماز میں جس قرأت سے رک گئے' وہ الحمد کے علاوہ تھی کیونکہ اسی سے روکا تھا' اسی سے صحابہؓ رک گئے' الحمد تو پڑھنے کا حکم دیا تھا' بلکہ ساتھ ہی فرما دیا تھا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم زہری کا قول ہے کہ امام جب اونچی آواز سے قرأت پڑھے تو انہیں امام کی قرأت کافی ہے' امام کے پیچھے والے نہ پڑھیں گو انہیں امام کی آواز سنائی بھی نہ دے' ہاں البتہ جب امام آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو' اس وقت مقتدی بھی آہستہ پڑھ لیا کریں اور کسی کو لائق نہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ پڑھے' خواہ جہری نماز ہو خواہ سری۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ''جب قرآن پڑھا جائے تو تم اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔ علماء کے ایک گروہ کا مذہب ہے کہ جب امام اونچی آواز سے قرأت کرے تو مقتدی پر نہ سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے نہ کچھ اور۔ امام شافعیؒ کے دو اقوال جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے اور یہ ان کا پہلا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ کا مذہب' ایک اور روایت میں امام احمد کا بہ سبب ان دلائل کے جن کا ذکر گذر چکا۔ یعنی نیا دوسرا قوال آپ کا یہ ہے مقتدی صرف سورہ فاتحہ امام کے سکتوں کے درمیان پڑھ لے جبکہ صحابہؓ تابعینؒ اور ان کے بعد والے گروہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں' مقتدی پر مطلقاً قرأت واجب نہیں' نہ اس نماز میں جس میں امام آہستہ قرأت پڑھے اور نہ اس میں جس میں بلند آواز سے قرأت پڑھے' اس لئے کہ حدیث میں ہے امام کی قرأت مقتدیوں کی بھی قرأت ہے' اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی حدیث موطا امام مالک میں موقوفاً مروی ہے اور یہی صحیح ہے یعنی یہ قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ہونا زیادہ صحیح ہے' نہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان (لیکن یہ بھی یاد رہے کہ خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ میں مروی ہے کہ کنا نقرا فی الظھر والعصر خلف الامام فی الرکعتین الاولیین بفاتحة الکتاب وسورۃ وفی الاخریین بفاتحة الکتاب یعنی ہم ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے اور کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دو رکعتوں

میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جو فرمایا کہ امام کی قرأت اسے کافی ہے' اس سے مراد سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرأت ہے۔ واللہ اعلم' مترجم) یہ مسئلہ اور جگہ نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی خاص مسئلے پر حضرت امام ابوعبداللہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس میں ثابت کیا ہے کہ ہر نماز میں خواہ اس میں قرأت اونچی پڑھی جاتی ہو یا آہستہ' مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے واللہ اعلم۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہ آیت فرض نماز کے بارے میں ہے۔ طلحہ کا بیان ہے کہ میں نے عبید بن عمر اور عطا بن ابی رباح کو میں نے دیکھا کہ واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے تو میں نے کہا' تم اس وعظ کو نہیں سنتے اور وعید کے قابل ہو رہے ہو؟ انہوں نے میری طرف دیکھا' پھر باتوں میں مشغول ہو گئے' میں نے پھر یہی کہا' انہوں نے پھر میری طرف دیکھا اور پھر اپنی باتوں میں لگ گئے' میں نے پھر تیسری مرتبہ ان سے یہی کہا' تیسری بار انہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا' یہ نماز کے بارے میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں نماز کے سوا جب کوئی قرآن کریم پڑھ رہا ہو تو کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور بھی بہت سے بزرگوں کا فرمان ہے کہ مراد اس سے نماز میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز اور جمعہ کے خطبے کے بارے میں ہے۔ حضرت عطاء سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں' نماز میں اور ذکر کے وقت۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' عیدالاضحیٰ' عیدالفطر' جمعہ کے دن اور جن نمازوں میں امام اونچی قرأت پڑھے۔ ابن جریرؒ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مراد اس سے نماز میں اور خطبے میں چپ رہنا ہے جیسے کہ حکم ہوا ہے' امام کے پیچھے خطبے کی حالت میں چپ رہو۔ مجاہدؒ نے اسے مکروہ سمجھا کہ جب امام خوف کی آیت یا رحمت کی آیت تلاوت کرے' تو اس کے پیچھے سے کوئی شخص کچھ کہے بلکہ خاموشی کے لئے کہا (حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کبھی کسی خوف کی آیت سے گزرتے تو پناہ مانگتے اور جب کبھی کسی رحمت کے بیان والی آیت سے گذرتے تو اللہ سے سوال کرتے۔ (مترجم) حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جب تو قرآن سننے بیٹھے تو اس کے احترام میں خاموش رہا کر۔ مسند احمد میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ جو شخص کان لگا کر کتاب اللہ کی کسی آیت کو سنے تو اس کے لئے کثرت سے بڑھنے والی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اسے پڑھے تو اس کے لئے قیامت کے دن نور ہو گا۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ
مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ
وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع۲۴

اور یاد کر اپنے پروردگار کو اپنے دل میں عاجزی اور ڈر کے ساتھ بغیر اونچی آواز کے اپنے قول سے صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلوں میں نہ ہو جا۔ جو لوگ تیرے رب کے نزدیک ہیں' وہ اس کی عبادت سے جی بھاری نہیں کرتے' اس کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں اور صرف اسی کے سامنے سجدے کرتے رہتے ہیں O

اللہ کی یاد بکثرت کرو مگر خاموشی سے : ☆☆ (آیت: ۲۰۵-۲۰۶) اللہ تعالیٰ یہاں حکم فرماتا ہے کہ صبح شام اس کو بکثرت یاد کر۔ اور جگہ بھی ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ یعنی اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کیا کرو سورج طلوع اور سورج

غروب ہونے سے پہلے' یہ آیت مکیہ ہے اور یہ حکم معراج سے پہلے کا ہے۔ ''غدو'' کہتے ہیں دن کے ابتدائی حصے کو ''اصال'' جمع ہے اصیل کی' جیسے کہ ایمان جمع ہے یمین کی۔ حکم دیا کہ رغبت' لالچ اور ڈر خوف کے ساتھ اللہ کی یاد اپنے دل میں اپنی زبان سے کرتے رہو' چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں' اسی لئے مستحب یہی ہے کہ اونچی آواز کے ساتھ اور چلا چلا کر اللہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے جب حضورؐ سے سوال کیا کہ ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی چپکے چپکے کرلیا کریں' یا دور ہے کہ ہم پکار پکار کر آوازیں دیں؟ تو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے یہ آیت اتاری وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ الخ جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں تو جواب دے کہ میں بہت ہی نزدیک ہوں' دعا کرنے والے کی دعا کو جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے' قبول فرمالیا کرتا ہوں۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ لوگوں نے ایک سفر میں با آواز بلند دعائیں کرنی شروع کیں تو آپ نے فرمایا' لوگو اپنی جانوں پر ترس کھاؤ' تم کسی بہرے کو' یا کسی غائب کو نہیں پکار رہے' جسے تم پکارتے ہو' وہ تو بہت ہی پست آواز سننے والا اور بہت ہی قریب ہے' تمہاری سواری کی گردن جتنی تم سے قریب ہے' اس سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مراد اس آیت سے بھی وہی ہو جو آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ الخ سے ہے' مشرکین قرآن سن کر قرآن کو' جبرئیل کو' رسول اللہ ﷺ کو اور خود اللہ تعالیٰ کو گالیاں دینے لگتے' تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ نہ تو آپ اس قدر بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین چڑ کر بکنے جھکنے لگیں' نہ اس قدر پست آواز سے پڑھیں کہ آپ کے صحابہ بھی نہ سن سکیں بلکہ اس کے درمیان کا راستہ ڈھونڈ نکالیں یعنی نہ بہت بلند نہ بہت آہستہ' یہاں بھی فرمایا کہ بہت بلند آواز سے نہ ہو اور غافل نہ بننا۔ امام ابن جریر اور ان سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ نے فرمایا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں قرآن کے سننے والے کو جو خاموشی کا حکم تھا' اسی کو دہرایا جارہا ہے کہ اللہ کا ذکر اپنی زبان سے اپنے دل میں کیا کرو' لیکن یہ بعید ہے اور انصاف کے منافی ہے جس کا حکم فرمایا گیا ہے اور مراد اس سے یا تو نماز میں ہے' یا نماز اور خطبے میں اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت خاموشی بہ نسبت ذکر ربانی کے افضل ہے' خواہ وہ پوشیدہ ہو خواہ ظاہر' پس ان دونوں کی متابعت نہیں کی گئی۔ اس لئے مراد اس سے بندوں کو صبح شام ذکر کی کثرت کی رغبت دلانا ہے تاکہ وہ غافلوں میں سے نہ ہوجائیں۔ (ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ کا بھی یہی فرمان ہے۔

تفسیر سورۃ انفال

تفسیر بیضاوی وغیرہ میں بھی یہی ہے اور دونوں آیات کے ظاہری ربط کا تقاضا بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم) اسی لئے فرشتوں کی تعریف بیان ہوئی کہ وہ رات دن اللہ کی تسبیح میں لگے رہتے ہیں' بالکل تھکتے نہیں' پس فرماتا ہے کہ جو تیرے رب کے پاس ہیں' وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ ان کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کثرت عبادت واطاعت میں ان کی اقتدا کی جائے' اسی لئے ہمارے لئے بھی شریعت نے سجدہ مقرر کیا' فرشتے بھی سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے' تم اسی طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے جیسے کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں باندھتے ہیں کہ وہ پہلے اول صف کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں ذرا سی بھی گنجائش اور جگہ باقی نہیں چھوڑتے۔ اس آیت پر اجماع کے ساتھ سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی' قرآن میں تلاوت کا پہلا سجدہ یہی ہے۔ ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو سجدے کی آیات میں شمار کیا ہے۔

اس کی چھیالیس آیتیں ہیں۔ ایک ہزار چھ سو اکتیس کلمات ہیں۔ پانچ ہزار دو سو چورانوے حروف ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

بخشش اور مہربانی والے معبود کے نام سے شروع

تجھ سے مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں' جواب دے کہ غنیمت کے مال اللہ اور اس کے رسول کے ہیں' پس تم اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنا باہمی معاملہ ٹھیک ٹھاک رکھو' اللہ کے اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنے رہو' اگر تم ایمان دار ہو ○

تفسیر سورۃ انفال: (آیت:۱) بخاری شریف میں ہے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' سورہ انفال غزوہ بدر کے بارے میں اتری ہے' فرماتے ہیں' انفال سے مراد غنیمت کے مال ہیں جو صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہی تھیں' ان میں سے کوئی چیز کسی اور کے لئے نہ تھی۔ آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا' گھوڑا بھی انفال میں سے ہے اور سامان بھی' سائل نے پھر پوچھا' آپ نے پھر یہی جواب دیا' اس نے پھر پوچھا کہ جس انفال کا ذکر کتاب اللہ میں ہے' اس سے کیا مراد ہے؟ غرض پوچھتے پوچھتے ابن عباس کو تنگ کر دیا تو آپ نے فرمایا اس کا یہ کرتوت اس سے کم نہیں جسے حضرت عمرؓ نے مارا تھا' حضرت فاروق اعظمؓ سے جب سوال ہوتا تو آپ فرماتے نہ تجھے حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں' واللہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے والا' حکم فرمانے والا' حلال حرام کی وضاحت کرنے والا ہی بنا کر بھیجا ہے' آپ نے اس سائل کو جواب دیا کہ کسی کسی کو بطور نفل (مال غنیمت) گھوڑا بھی ملتا اور ہتھیار بھی' دو تین دفعہ اس نے یہی سوال کیا جس سے آپ غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے یہ تو ایسا ہی شخص ہے جسے حضرت عمرؓ نے کوڑے لگائے تھے یہاں تک کہ اس کی ایڑیاں اور ٹخنے خون آلودہ ہو گئے تھے' اس پر سائل کہنے لگا کہ خیر آپ سے تو اللہ نے عمرؓ کا بدلہ لے ہی لیا۔ الغرض ابن عباسؓ کے نزدیک تو یہاں نفل سے مراد پانچویں حصے کے علاوہ وہ انعامی چیزیں ہیں جو امام اپنے سپاہیوں کو عطا فرمائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں' کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس پانچویں حصے کا مسئلہ پوچھا جو چار ایسے ہی حصوں کے بعد رہ جائے' پس یہ آیت اتری۔ ابن مسعودؓ وغیرہ فرماتے ہیں لڑائی والے دن اس سے زیادہ امام نہیں دے سکتا بلکہ لڑائی کی شروع سے پہلے اگر چاہے دے دے۔ عطاؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مراد مشرکوں کا وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے مل جائے خواہ جانور ہو خواہ لونڈی غلام یا اسباب ہو' پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی تھا' آپ کو اختیار تھا کہ جس کام میں چاہیں لگا لیں' تو گویا ان کے نزدیک مال فئے انفال ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد لشکر کے کسی گروہ کو ان کی کارکردگی یا حوصلہ افزائی کے عوض امام انہیں عام تقسیم سے کچھ زیادہ دے' اسے انفال کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ بدر والے دن جب میرے بھائی عمیر قتل کئے گئے' میں نے سعید بن عاص کو قتل کیا اور اس کی تلوار لے لی جسے ذوالکتیفہ کہا جاتا تھا اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا' جاؤ اسے باقی مال کے ساتھ رکھ آؤ' میں نے حکم کی تعمیل تو کر لی لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس وقت میرے دل پر کیا گذری' ایک طرف بھائی کے قتل کا صدمہ' دوسری طرف اپنا حاصل کردہ سامان واپس ہونے کا صدمہ' ابھی میں چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ سورۂ انفال نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا جاؤ اور وہ تلوار جو تم ڈال آئے ہو لے جاؤ۔

مسند میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے

مجھے مشرکوں سے بچالیا' اب آپ یہ تلوار مجھے دے دیجئے' آپ نے فرمایا سنو نہ یہ تمہاری ہے نہ میری ہے' اسے بیت المال میں داخل کر دو' میں نے رکھ دی اور میرے دل میں خیال آیا کہ آج جس نے مجھ جیسی محنت نہیں کی' اسے یہ انعام مل جائے گا' یہ کہتا ہوا جا ہی رہا تھا جو آواز آئی کہ کوئی میرا نام لے کر میرے پیچھے سے مجھے پکار رہا ہے' لوٹا اور پوچھا کہ حضورؐ کہیں میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری؟ آپ نے فرمایا' ہاں' تم نے مجھ سے تلوار مانگی تھی' اس وقت وہ میری نہ تھی - اب وہ مجھے دی گئی اور میں تمہیں دے رہا ہوں - پس آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ' اس بارے میں اتری ہے ابوداؤد طیالسی میں انہی سے مروی ہے کہ میرے بارے میں چار آیات نازل ہوئی ہیں' مجھے بدر والے دن ایک تلوار ملی' میں اسے لے کر سرکار رسالت مآبؐ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ تلوار آپ مجھے عنایت فرمائیے' آپ نے فرمایا جاؤ' جہاں سے لی ہے وہیں رکھ دو' میں نے پھر طلب کی' آپؐ نے پھر یہی جواب دیا' میں نے پھر مانگی' آپؐ نے پھر یہی فرمایا' اسی وقت یہ آیت اتری - یہ پوری حدیث ہم نے آیت وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ الخ کی تفسیر میں درج کی ہے - پس ایک تو یہ آیت' دوسری آیت وَوَصَّیْنَا الخ' تیسری آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ الخ چوتھی آیت آیت وصیت (صحیح مسلم شریف)

سیرت ابن اسحاق میں ہے حضرت ابواسید مالک بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں مجھے سیف بن عائذ کی تلوار ملی جسے مرزبان کہا جاتا تھا - جب نبی ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو وہ جمع کرا دے' میں بھی گیا اور وہ تلوار رکھ آیا - آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی آپ سے کچھ مانگتا تو آپ انکار نہ کرتے - حضرت ارقم بن ارقم خزاعی رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کو دیکھ کر آپ سے اسی کا سوال کیا' آپ نے انہیں عطا فرما دی اس آیت کے نزول کا سبب مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ابوامامہ نے حضرت عبادہ سے انفال کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا' ہم بدریوں کے بارے میں ہے جبکہ ہم مال کفار کے بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جھگڑے بڑھ گئے تو یہ آیت اتری اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد ہو گئی اور حضورؐ نے اس مال کو برابری سے تقسیم فرمایا - مسند احمد میں ہے کہ ہم غزوہ بدر میں حضور ﷺ کے ساتھ نکلے' اللہ تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی' ہماری ایک جماعت نے تو ان کا تعاقب کیا کہ پوری ہزیمت دے دی -

دوسری جماعت نے مال غنیمت میدان جنگ سے سمیٹنا شروع کیا اور ایک جماعت اللہ کے نبی ﷺ کے اردگرد کھڑی ہو گئی کہ کہیں کوئی دشمن آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچائے' رات کو سب لوگ جمع ہوئے اور ہر جماعت اپنا حق اس مال پر جتانے لگی' پہلی جمات نے کہا' دشمنوں کو ہم نے ہی شکست دی ہے' دوسری جماعت نے کہا' مال غنیمت ہمارا ہی سمیٹا ہوا ہے' تیسری جماعت نے کہا' ہم نے حضورؐ کی چوکیداری کی ہے' پس یہ آیت اتری اور حضورؐ نے خود اس مال کو ہم میں تقسیم فرمایا - آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب دشمن کی زمین پر حملہ کرتے تو چوتھائی بانٹتے اور لوٹتے وقت تہائی اور آپ انفال کو مکروہ سمجھتے ابن مردویہ میں ہے کہ بدر والے دن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو ایسا کرے' اسے یہ انعام اور جو ایسا کرے اسے یہ انعام' اب نوجوان تو دوڑ پڑے اور نمایاں کارنامے انجام دیئے' بوڑھوں نے مورچے تھامے اور جھنڈوں تلے رہے' اب جوانوں کا مطالبہ تھا کہ سارا مال ہمیں ملنا چاہئے - بوڑھے کہتے تھے کہ لشکرگاہ کو ہم نے محفوظ رکھا' تم اگر شکست اٹھاتے تو یہیں آتے' اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری - مروی ہے کہ حضورؐ کا اعلان ہو گیا تھا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے' اسے اتنا ملے گا اور جو کسی کافر کو قید کرے اسے اتنا ملے گا - حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ دو قیدی پکڑ لائے اور حضرتؐ کو وعدہ یاد دلایا' اس پر حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ پھر تو ہم سب یونہی رہ جائیں گے' بزدلی یا بے طاقتی کی وجہ سے ہم آگے نہ بڑھے ہوں یہ بات نہیں بلکہ اس لئے کہ پچھلی جانب سے کفار نہ آ پڑیں' حضورؐ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے' اس لئے ہم آپ کے اردگرد رہے' اسی جھگڑے کے فیصلے میں یہ آیت اتری اور آیت وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ الخ

بھی اتری۔ امام ابوعبیداللہ قاسم بن سلامؒ نے اپنی کتاب احوال الشرعیہ میں لکھا ہے کہ انفال غنیمت ہے اور حربی کافروں کے جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئیں' وہ سب ہیں' پس انفال آنحضرت ﷺ کی ملکیت میں تھے۔ بدروالے دن بغیر پانچواں حصہ نکالے جس طرح اللہ نے آپ کو سمجھایا' آپ نے مجاہدین میں تقسیم کیا اس کے بعد پانچواں حصہ نکالنے کے حکم کی آیت اتری اور یہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا لیکن ابن زید وغیرہ اسے منسوخ نہیں بتلاتے بلکہ محکم کہتے ہیں۔ انفال غنیمت کی جمع ہے مگر اس میں سے پانچواں حصہ مخصوص ہے۔ اس کی اہل کے لئے جیسے کہ کتاب اللہ میں حکم ہے اور جیسے کہ سنت رسول اللہ جاری ہوئی ہے۔ انفال کے معنی کلام عرب میں ہر اس احسان کے ہیں جسے کوئی بغیر کسی پابندی یا وجہ کے دوسرے کے ساتھ کرے۔ پہلے کی تمام امتوں پر یہ مال حرام تھے' اس امت پر اللہ نے رحم فرمایا اور مال غنیمت ان کے لئے حلال کیا۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے' حضورؐ فرماتے ہیں' مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ پھر ان کے ذکر میں ایک یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو حلال نہ تھیں۔ امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ امام' لشکر میں سے کسی کو کوئی انعام دے جو اس کے مقررہ حصہ کے علاوہ ہو' اسے نفل کہتے ہیں۔ غنیمت کے انداز اور اس کے کارنامے کے صلے کے برابر یہ ملتا ہے۔ اس نفل کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت تو مقتول کا مال اسباب وغیرہ ہے جس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا جاتا۔ دوسری صورت وہ نفل جو پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے بعد دیا جاتا ہے' مثلاً امام نے کوئی چھوٹا سا لشکر کسی دشمن پر بھیج دیا' وہ غنیمت یا مال لے کر پلٹا تو امام اس میں سے اسے چوتھائی یا تہائی بانٹ دے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ جو پانچواں حصہ نکال کر باقی کا تقسیم ہو چکا ہے' اب امام بقدر خزانہ اور بقدر شخصی جرات کے اس میں سے جسے جتنا چاہے دے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ امام پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے ہی کسی کو کچھ دے مثلاً چرواہوں کو' سائیسوں کو' بہشتیوں کو وغیرہ' پھر ہر صورت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے سے پہلے جو سامان اسباب مقتولین کا مجاہدین کو دیا جائے' وہ انفال میں داخل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اپنا حصہ پانچویں حصے میں سے پانچواں جو تھا' اس میں سے آپ جسے چاہیں جتنا چاہیں' عطا فرمائیں' یہ نفل ہے' پس امام کو چاہئے کہ دشمنوں کی کثرت' مسلمانوں کی قلت اور ایسے ہی ضروری وقتوں میں سے اس سنت کی تابعداری کرے' ہاں جب ایسا موقع نہ ہو تو نفل ضروری نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ امام ایک چھوٹی سی جماعت کہیں بھیجتا ہے اور ان سے کہہ دیتا ہے کہ جو شخص جو کچھ حاصل کرے' پانچواں حصہ نکال کر باقی سب اسی کا ہے تو وہ سب انہی کا ہے کیونکہ انہوں نے اسی شرط پر غزوہ کیا ہے اور یہ رضامندی سے طے ہو چکی ہے' لیکن ان کے اس بیان میں جو کچھ کہا گیا ہے کہ بدر کی غنیمت کا پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا' اس میں ذرا کلام ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ دو اونٹنیاں وہ ہیں جو انہیں بدر کے دن پانچویں حصے میں ملی تھیں' میں نے ان کا پورا بیان کتاب السیرہ میں کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔ تم اپنے کاموں میں اللہ کا ڈر رکھو' آپس میں صلح و صفائی رکھو۔ ظلم' جھگڑے اور مخالفت سے باز آ جاؤ' جو ہدایت و علم اللہ کی طرف سے تمہیں ملا ہے' اس کی قدر کرو اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے رہو' عدل و انصاف سے ان مالوں کو تقسیم کرو' پرہیزگاری اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کرو۔

مسند ابویعلی میں ہے کہ حضورؐ بیٹھے بیٹھے ایک مرتبہ مسکرائے اور پھر ہنس دیئے' عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' کیسے ہنس دیئے؟ آپ نے فرمایا' میری امت کے دو شخص اللہ رب العزت کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے' ایک نے کہا' اللہ میرے بھائی سے میرے ظلم کا بدلہ لے' اللہ نے اس سے فرمایا' ٹھیک ہے اسے بدلہ دے' اس نے کہا اللہ میرے پاس تو نیکیاں اب باقی نہیں رہیں' اس نے کہا اللہ پھر میری برائیاں اس پر لاد دے' اس وقت حضورؐ کے آنسو نکل آئے اور فرمانے لگے' وہ دن بڑا ہی سخت ہے لوگ چاہتے ہوں گے'

تلاش میں ہوں گے کہ کسی پر ان کا بوجھ لاد دیا جائے' اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے طالب اپنی نگاہ اٹھا اور ان جنتیوں کو دیکھ وہ دیکھے گا اور کہے گا چاندی کے قلعے اور سونے کے محل میں دیکھ رہا ہوں جو لولو اور موتیوں سے جڑاؤ کئے ہوئے ہیں' پروردگار مجھے بتایا جائے کہ یہ مکانات اور یہ درجے کسی نبی کے ہیں' یا کسی صدیق کے' یا کسی شہید کے؟ اللہ فرمائے گا یہ اس کے ہیں جو ان کی قیمت ادا کر دے' یہ کہے گا اللہ کس سے ان کی قیمت ادا ہو سکے گی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرے پاس تو اس کی قیمت ہے' وہ خوش ہو کر پوچھے گا کہ پروردگار وہ کیا؟ اللہ فرمائے گا یہی کہ تیرا جو حق اس مسلمان پر ہے تو اسے معاف کر دے' وہ فوراً کہے گا' اللہ میں نے معاف کیا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ اب اس کا ہاتھ تھام لے اور تم دونوں جنت میں چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کا آخری حصہ تلاوت فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور آپس کی اصلاح کرو' دیکھو اللہ تعالیٰ خود قیامت کے دن مومنوں میں صلح کرائے گا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾

مومن وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے ذکر اللہ کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان بڑھا دیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ○ جو نمازوں کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے' وہ ہماری راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ○ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں' ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں بڑے مرتبے ہیں اور بخشش ہے اور بہت ہی اچھی روزی ○

ایمان سے خالی لوگ اور حقیقت ایمان : ☆☆ (آیت:۲-۴) ابن عباسؓ فرماتے ہیں منافقوں کے دل میں نہ فریضے کی دائیگی کے وقت ذکر اللہ ہوتا ہے نہ کسی اور وقت' نہ ان کے دلوں میں ایمان کا نور رہتا ہے' نہ اللہ پر بھروسہ ہوتا ہے' نہ تنہائی میں نمازی رہتے ہیں نہ اپنے مال کی زکوۃ دیتے ہیں' ایسے لوگ ایمان سے خالی ہوتے ہیں' لیکن ایماندار ان کے برعکس ہوتے ہیں۔ ان کے دل یاد خالق سے کپکپاتے رہتے ہیں' فرائض ادا کرتے ہیں' آیات الٰہی سن کر ایمان چمک اٹھتے ہیں' تصدیق میں بڑھ جاتے ہیں' رب کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے' اللہ کی یاد سے تھرتھراتے رہتے ہیں' اللہ کا ڈر ان میں سمایا ہوا ہوتا ہے' اسی وجہ سے نہ تو حکم کا خلاف کرتے ہیں اور نہ منع کئے ہوئے کام کو کرتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے کہ ان سے اگر کوئی برائی سرزد ہو بھی جاتی ہے تو یاد الہ کرتے ہیں' پھر اپنے گناہ سے استغفار کرتے ہیں' حقیقت میں سوائے اللہ کے کوئی گناہوں کا بخشنے والا بھی نہیں' یہ لوگ باوجود علم کے کسی گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ اور آیات میں ہے وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ الخ' جو شخص اپنے رب کے پاس کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشوں سے روکا' اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔ سدیؒ فرماتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے جی میں ظلم یا گناہ کرنے کا خیال آتا ہے لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر جاؤ' وہیں ان کا دل کانپنے لگتا ہے۔ ام درداء فرماتی ہیں کہ دل اللہ کے خوف سے حرکت کرنے لگتے ہیں۔ ایسے وقت انسان کو اللہ عزوجل سے دعا مانگنی چاہئے' ایمانی حالت بھی ان کی روز بروز زیادتی میں رہتی ہے ادھر قرآنی آیات سنیں اور ایمان بڑھا۔

جیسے اور جگہ ہے کہ جب کوئی سورت اترتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں کس کا ایمان بڑھا دیا۔ بات یہ ہے کہ ایمان والوں کے ایمان بڑھ جاتے ہیں اور وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس آیت سے اور اس جیسی دیگر آیات سے حضرت امام الائمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ ایمان کی زیادتی سے مراد ہے کہ دلوں میں ایمان کم یا زیادہ ہوتا رہتا ہے' یہی مذہب جمہور امت کا ہے بلکہ کئی ایک نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جیسے شافعی' احمد بن حنبل' ابو عبید وغیرہ جیسے کہ ہم نے شرح بخاری کے شروع میں پوری طرح بیان کر دیا ہے۔ والحمدللہ۔ ان کا بھروسہ صرف اپنے رب پر ہوتا ہے' نہ اس کے سوا کسی سے وہ امید رکھیں' نہ اس کے سوا کوئی ان کا مقصود' نہ اس کے سوا کسی سے وہ پناہ چاہیں' نہ اس کے سوا کسی سے مرادیں مانگیں' نہ کسی اور کی طرف جھکیں' وہ جانتے ہیں کہ قدرتوں والا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے ہوتا ہے' جو نہیں چاہتا ہرگز نہیں ہوتا' تمام ملک میں اسی کا حکم چلتا ہے' مالک صرف وہی ہے وہ اکیلا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' نہ اس کے کسی حکم کو کوئی ٹال سکے اور وہ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں' اللہ پر توکل کرنا ہی پورا ایمان ہے۔ ان مومنوں کے ایمان اور اعتقاد کی حالت بیان فرما کر اب ان کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ نمازوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وقت کی' وضو کی' رکوع کی' سجدے کی' کامل پاکیزگی کی' قرآن کی تلاوت' تشہد' درود' سب چیزوں کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ اللہ کے اس حق کی ادائیگی کے ساتھ ہی بندوں کے حق بھی نہیں بھولتے۔ واجب خرچ یعنی زکوۃ' مستحب خرچ یعنی اللہ کے راستہ میں صدقہ و خیرات برابر دیتے ہیں۔

چونکہ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے' اس لئے اللہ کو سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کی مخلوق کی سب سے زیادہ خدمت کرے' اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں دیتے رہو' یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے' بہت جلد تم اسے چھوڑ کر رخصت ہونے والے ہو' پھر فرماتا ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں وہ سچے مومن ہیں۔ طبرانی میں ہے حارث بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی ﷺ کے پاس سے گذرے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری صبح کس حال میں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ سچے مومن ہونے کی حالت میں' آپؐ نے فرمایا کہ سمجھ لو کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہر چیز کی حقیقت ہوا کرتی ہے' جانتے ہو حقیقت ایمان کیا ہے؟ جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی خواہشیں دنیا سے الگ کر لیں' راتیں اللہ تعالیٰ کی یاد میں جاگ کر اور دن اللہ کی راہ میں بھوکے پیاسے رہ کر گذارتا ہوں' گویا میں اللہ کے عرش کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپس میں ہنسی خوشی ایک دوسرے سے مل جل رہے ہیں اور گویا کہ میں اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ دوزخ میں جل بھن رہے ہیں' آپ نے فرمایا حارثہ تو نے حقیقت جان لی' پس اس حال پر ہمیشہ قائم رہنا' تین مرتبہ یہی فرمایا۔

پس آیت میں بالکل محاورہ عرب کے مطابق ہے جیسے وہ کہا کرتے ہیں کہ گو فلاں قوم میں سردار بہت سے ہیں لیکن صحیح معنی میں سردار فلاں ہے' یا فلاں قبیلے میں تاجر بہت ہیں لیکن صحیح طور پر تاجر فلاں ہے' یا فلاں لوگوں میں شاعر بہت ہیں لیکن سچا شاعر فلاں ہے۔ ان کے مرتبے اللہ کے ہاں بڑے بڑے ہیں' اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے' وہ ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے گا ان کی نیکیوں کی قدردانی کرے گا' گو یہ درجے اونچے نیچے ہوں گے لیکن کسی بلند مرتبہ شخص کے دل میں یہ خیال نہ ہو گا کہ میں فلاں سے اعلیٰ ہوں اور نہ کسی ادنیٰ درجے والوں کو یہ خیال ہو گا کہ میں فلاں سے کم ہوں۔ بخاری و مسلم میں ہے' رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ علیین والوں کو نیچے کے درجے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے پوچھا' یہ مرتبے تو انبیاء کے ہوں گے؟ کوئی اور تو اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' وہ لوگ بھی جو اللہ پر ایمان لائیں اور رسولوں کو سچ جانیں۔ اہل سنن کی حدیث میں ہے کہ اہل جنت بلند درجہ جنتیوں کو ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے کناروں

کے چمکیلے ستاروں کو دیکھا کرتے ہو یقیناً ابو بکرؓ اور عمرؓ انہی میں سے ہیں اور بہت اچھے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّاۗىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

جیسے کہ تجھے پروردگار نے بہترین تدبیر کے ساتھ تیرے گھر سے نکالا حالانکہ مومنوں کی ایک جماعت اسے ناپسند کرنے والی تھی ○ یہ تو تجھ سے بالکل سچی بات میں جو واضح ہو چکی ہے' جھگڑ رہے ہیں گویا کہ وہ موت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف گھسیٹے جا رہے ہیں ○ یاد کر جبکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت تمہارے ہاتھ لگے گی' تمہاری چاہت تھی کہ بغیر شوکت والی جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور حق تعالیٰ کی چاہت تھی کہ وہ دین حق کو اپنے فرمان سے سچا ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ بنیاد کاٹ دے ○ تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق کر دکھائے' گو گنہگاروں کو برا ہی لگے ○

شمع رسالت کے جاں نثاروں کی دعائیں: ☆☆ (آیت: ۵-۸) ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ جیسے تم نے مال غنیمت میں اختلاف کیا آخر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے نبی کو اس کی تقسیم کا اختیار دے دیا اور اپنے عدل و انصاف کے ساتھ اسے تم میں بانٹ دیا اور درحقیقت تمہارے لئے اسی میں بھلائی تھی۔ اسی طرح اس نے باوجود تمہاری اس چاہت کے کہ قریش کا تجارتی قافلہ تمہیں مل جائے اور جنگی جماعت سے مقابلہ نہ ہو' اس نے تمہارا مقابلہ بغیر کسی وعدے کے ایک پرشکوہ جماعت سے کرا دیا اور تمہیں اس پر غالب کر دیا کہ اللہ کی بات بلند ہو جائے اور تمہیں فتح' نصرت' غلبہ اور شان' شوکت عطا ہو۔ جیسے فرمان ہے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ الخ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ تم اسے برا جانتے ہو' بہت ممکن ہے کہ ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی نہ جانو اور درحقیقت وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک چیز کو اپنے حق میں اچھی جانو اور حقیقت میں وہ بدتر ہو' دراصل حقائق کا علم اللہ ہی کو ہے تم محض بے علم ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جیسے مومنوں کے ایک گروہ کی چاہت کے خلاف تجھے تیرے رب نے شہر سے باہر لڑائی کے لئے نکالا اور نتیجہ اسی کا اچھا ہوا' ایسے ہی جو لوگ جہاد کے لئے نکلنا بوجھ سمجھ رہے ہیں دراصل یہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مال غنیمت میں ان کا اختلاف بالکل بدر والے دن کے اختلاف کے مشابہ تھا' کہنے لگے تھے آپ نے ہمیں قافلے کا فرمایا تھا' لشکر کا نہیں' ہم جنگی تیاری کر کے نکلے ہی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ مدینے سے اسی ارادے سے نکلے تھے کہ ابوسفیان کے اس قافلے کو روکیں جو شام سے مدینہ کو قریشیوں کے بہت سے مال اسباب لے کر آ رہا تھا۔ حضورؐ نے لوگوں کو تیار کیا اور تین سو دس سے کچھ اوپر لوگوں کے لے کر آپ مدینے سے چلے اور سمندر کے کنارے کے راستے کی طرف سے بدر کے مقام سے چلے' ابوسفیان کو چونکہ آپ کے نکلنے کی خبر پہنچ چکی تھی' اس نے اپنا راستہ

بدل دیا اور ایک تیز رو قاصد کو مکے دوڑایا' وہاں سے قریش تقریباً ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر لوہے میں ڈوبے ہوئے بدر کے میدان میں پہنچ گئے' پس یہ دونوں جماعتیں ٹکرا گئیں' گھمسان کی لڑائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حق کو فتح دلوائی' اپنا دین بلند کیا اور اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام کو کفر پر غالب کیا جیسے کہ اب بیان ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ جب حضور کو یہ پتہ چلا کہ مشرکین کی جنگی مہم مکے سے آ رہی ہے' اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے بذریعہ وحی کے وعدہ کیا کہ یا تو قافلہ آپ کو ملے گا یا لشکر کفار۔ اکثر مسلمان دل سے چاہتے تھے کہ قافلہ مل جائے کیونکہ یہ نسبتاً ہلکی چیز تھی لیکن اللہ کا ارادہ تھا کہ اس وقت بغیر زیادہ تیاری اور اہتمام کے اور آپ کے قول قرار کے مڈبھیڑ ہو جائے اور حق و باطل کی تمیز ہو جائے' کفار کی ہمت ٹوٹ جائے اور دین حق نکھر آئے۔

تفسیر ابن مردویہ میں ہے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ابوسفیان کا قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے تو کیا تم اس کے لئے تیار ہو کہ ہم اس قافلے کی طرف بڑھیں؟ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مال غنیمت دلوا دے' ہم سب نے تیاری ظاہر کی' آپ ہمیں لے کر چلے' ایک دن یا دو دن کا سفر کر کے آپ نے ہم سے فرمایا کہ قریشیوں سے جہاد کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہیں تمہارے چلنے کا علم ہو گیا ہے اور وہ تم سے لڑنے کے لئے چل پڑے ہیں' ہم نے جواب دیا کہ واللہ ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں' ہم تو صرف قافلے کے ارادے سے نکلے ہیں' آپ نے پھر یہی سوال کیا اور ہم نے پھر یہی جواب دیا۔ اب حضرت مقداد بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ہم اس وقت آپ کو وہ نہ کہیں گے جو موسیٰؑ کی قوم نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ تو اور تیرا رب جا کر کافروں سے لڑ لے' ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں' اب تو ہمیں بڑا ہی رنج ہونے لگا کہ کاش یہی جواب ہم بھی دیتے تو ہمیں مال کے ملنے سے اچھا تھا' پس یہ آیت اتری۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ بدر کی جانب چلتے ہوئے رسول اکرم ﷺ روحا میں پہنچے تو آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ ہاں ہمیں بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ لوگ فلاں فلاں جگہ ہیں' آپ نے پھر خطبہ دیا اور یہی فرمایا' اب کی مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے یہی جواب دیا' آپ نے پھر تیسرے خطبے میں یہی فرمایا' اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ ﷺ' کیا آپ ہم سے دریافت فرما رہے ہیں؟ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو عزت و بزرگی عنایت فرمائی ہے اور آپ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے' نہ میں ان راستوں میں کبھی چلا ہوں اور نہ مجھے اس لشکر کا علم ہے' ہاں اتنا میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ برک الغماد تک بھی چڑھائی کریں تو واللہ ہم آپ کی رکاب تھامے آپ کے پیچھے ہوں گے' ہم ان کی طرح نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا کہ تو اپنے ساتھ اپنے پروردگار کو لے کر چلا جا اور تم دونوں ان سے لڑ لو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں' نہیں نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول آپ چلئے' اللہ آپ کا ساتھ دے' ہم تو آپ کے زیر حکم کفار سے جہاد کے لئے صدق دل سے تیار ہیں' یارسول اللہ (ﷺ) گو آپ کسی کام کو زیر نظر رکھ کر نکلے ہوں لیکن اس وقت کوئی اور نیا کام پیش نگاہ ہو تو بسم اللہ کیجئے' ہم تابعداری سے منہ پھیرنے والے نہیں' آپ جس سے چاہیں ناطہ توڑ لیجئے' جس سے چاہیں عداوت کیجئے' اور جس سے چاہیں محبت کیجئے' ہم اسی میں آپ کے ساتھ ہیں' یارسول اللہ ہماری جانوں کے ساتھ ہمارے مال بھی حاضر ہیں' آپ کو جس قدر ضرورت ہو لیجئے اور کام میں لگایئے' پس حضرت سعدؓ کے اس فرمان پر قرآن کی یہ آیات اتری ہیں۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے دشمن سے بدر میں جنگ کرنے کی بابت صحابہؓ سے مشورہ کیا اور حضرت سعد بن عبادہ

رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور حضورؐ نے مجاہدین کو کمر بندی کا حکم دے دیا' اس وقت بعض مسلمانوں کو یہ ذرا گراں گذرا اس پر یہ آیات اتریں۔ پس حق میں جھگڑنے سے مراد جہاد میں اختلاف کرنا ہے اور مشرکوں کے لشکر سے مڈ بھیڑ ہونے اور ان کی طرف چلنے کو ناپسند کرنا ہے' اس کے بعد ان کے لئے واضح ہو گیا یعنی یہ امر کہ حضورؐ بغیر حکم رب العزت کے کوئی حکم نہیں دیتے۔ دوسری تفسیر میں ہے' اس سے مراد مشرک لوگ ہیں جو حق میں روڑے اٹکاتے ہیں' اسلام کا ماننا ان کے نزدیک ایسا ہے جیسے دیکھتے ہوئے موت کے منہ میں کودنا' یہ وصف مشرکوں کے سوا اور کسی کا نہیں اور اہل کفر کی پہلی علامت یہی ہے۔ ابن زید کا یہ قول نقل کر کے امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ اس سے پہلے کا قول یُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ اہل ایمان کی خبر ہے تو اس سے متصل خبر بھی انہی کی ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن اسحاق ہی کا قول اس بارے میں ٹھیک ہے کہ یہ خبر مومنوں کی ہے' نہ کہ کافروں کی حق بات یہی ہے جو امام صاحب نے کہی۔ سیاق کلام کی دلالت بھی اسی پر ہے (واللہ اعلم)۔

مسند احمد میں ہے کہ بدر کی لڑائی کی فتح کے بعد بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اب چلئے قافلے کو بھی دبالیں' اب کوئی روک نہیں ہے' اس وقت عباس بن عبدالمطلب کفار سے قید ہو کر آئے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے' اونچی آواز سے کہنے لگے کہ حضورؐ ایسا نہ کیجئے' آپ نے دریافت فرمایا کیوں؟ انہوں نے جواب دیا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا' وہ اللہ نے پورا کیا ایک جماعت آپ کو مل گئی۔ مسلمانوں کی چاہت تھی کہ لڑائی والے گروہ سے تو مڈ بھیڑ نہ ہو البتہ قافلے والے مل جائیں اور اللہ کی چاہت تھی کہ شوکت وشان والی' قوت وگھمنڈ والی لڑائی بھڑائی والی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تاکہ اللہ تعالیٰ ان پر تمہیں غالب کر کے تمہاری مدد کرے' اپنے دین کو ظاہر کر دے اور اپنے کلمے کو بلند کر دے اور اپنے دین کو دوسرے تمام دینوں پر اونچا کر دے' پس انجام کی بھلائی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' وہ اپنی عمدہ تدبیر سے تمہیں سنبھال رہا ہے' تمہاری مرضی کے خلاف کرتا ہے اور اس میں تمہاری مصلحت اور بھلائی ہوتی ہے' جیسے فرمایا کہ جہاد تم پر لکھا گیا اور وہ تمہیں ناپسند ہے' لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہاری ناپسندیدگی کی چیز میں ہی انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے بہتری ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے حق میں بری ہو۔ اب جنگ بدر کا مختصر سا واقعہ بزبان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سنئے' جب رسول کریم ﷺ نے سنا کہ ابوسفیان شام سے مع قافلے کے اور مع اسباب کے آ رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ چلو ان کا راستہ روکو' ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے یہ اسباب تمہیں دلوا دے' چونکہ کسی لڑانے والی جماعت سے لڑائی کرنے کا خیال بھی نہ تھا' اس لئے لوگ بغیر کسی خاص تیاری کے جیسے تھے' ویسے ہی ہلکے پھلکے نکل کھڑے ہوئے' ابوسفیان بھی غافل نہ تھا' اس نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے اور آنے جانے والوں سے بھی دریافت حال کر رہا تھا' ایک قافلے سے اسے معلوم ہو گیا کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو لے کر تیرے اور تیرے قافلے کی طرف چل پڑے ہیں' اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو انعام دے دلا کر اسی وقت قریش مکہ کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ تمہارے مال خطرے میں ہیں' حضورؐ مع اپنے اصحاب کے اس طرف آ رہے ہیں' تمہیں چاہئے کہ پوری تیاری سے فوراً ہماری مدد کو آؤ' اس نے بہت جلد وہاں پہنچ کر خبر دی تو قریشیوں نے زبردست حملے کی تیاری کر لی اور نکل کھڑے ہوئے' اللہ کے رسول ﷺ جب ذفران وادی میں پہنچے تو آپ کو قریش کے لشکروں کا ساز وسامان سے نکلنا معلوم ہو گیا' آپ نے صحابہؓ سے مشورہ لیا اور یہ خبر بھی کر دی۔

حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر جواب دیا اور بہت اچھا کہا' پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی معقول جواب دیا' پھر حضرت مقدادؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو' اسے انجام دیجئے' ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں

اور ہر طرح فرمانبردار ہیں' ہم بنو اسرائیل کی طرح نہیں کہ اپنے نبیؑ سے کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑ لو ہم تماشا دیکھتے ہیں' نہیں بلکہ ہمارا یہ قول ہے کہ اللہ کی مدد کے ساتھ چلئے' کیجئے' ہم آپ کے ساتھ ہیں' اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ برک غماد یعنی حبشہ کے ملک تک بھی چلیں تو ہم آپ کے ساتھ سے منہ نہ موڑیں گے اور وہاں پہنچائے اور پہنچے بغیر کسی طرح نہ رہیں گے۔

رسول اکرم ﷺ نے انہیں بہت اچھا کہا اور ان کو بڑی دعائیں دیں' لیکن آپ پھر بھی یہی فرماتے رہے کہ لوگو مجھے مشورہ دو' میری بات کا جواب دو' اس سے مراد آپ کی انصاریوں کے گروہ سے تھی' ایک تو اس لئے کہ گنتی میں یہی زیادہ تھے' دوسرے اس لئے بھی کہ عقبہ میں جب انصار نے بیعت کی تھی تو اس بات پر کی تھی کہ جب آپ مکے سے نکل کر مدینے میں پہنچ جائیں' پھر ہم آپ کے ساتھ ہیں' جو بھی دشمن آپ پر چڑھائی کر کے آئے' ہم اس کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں گے' اس میں چونکہ یہ وعدہ نہ تھا کہ خود آپ اگر کسی پر چڑھ کر جائیں تو بھی ہم آپ کا ساتھ دیں گے' اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اب ان کا ارادہ معلوم کر لیں کا اشارہ سمجھ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ شاید آپ ہم سے جواب چاہتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں یہی بات ہے تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا' یا رسول اللہ' ہمارا آپ پر ایمان ہے' ہم آپ کو سچا جانتے ہیں اور جو کچھ آپ لائے ہیں' اسے بھی حق مانتے ہیں' ہم آپ کا فرمان سننے اور اس پر عمل کرنے کی بیعت کر چکے ہیں' اے اللہ کے رسولؐ' جو حکم اللہ تعالیٰ کا آپ کو ہوا ہے' اسے پورا کیجئے' ہم آپ کی ہمرکابی سے نہ ہٹیں گے' اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے' اگر سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر آپ اس میں گھوڑا ڈال دیں تو ہم بھی بلا تامل اس میں کود پڑیں گے' ہم میں سے ایک کو بھی آپ ایسا نہ پائیں گے جسے ذرا سا بھی تامل ہو' ہم اس پر بخوشی رضامند ہیں کہ آپ ہمیں دشمنوں کے مقابلے پر چھوڑ دیں' ہم لڑائیوں میں بہادری کرنے والے' مصیبت کے جھیلنے والے اور دشمن کے دل پر سکہ جما دینے والے ہیں' آپ ہمارے کام دیکھ کر انشاء اللہ خوش ہوں گے' چلئے اللہ کا نام لے کر چڑھائی کیجئے' اللہ برکت دے۔ ان کے اس جواب سے رسول اکرم ﷺ بہت ہی مسرور ہوئے اسی وقت کوچ کا حکم دیا کہ چلو اللہ کی برکت پر خوش ہو جاؤ' رب مجھ سے وعدہ کر چکا ہے کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت ہمارے ہاتھ لگے گی' واللہ میں تو ان لوگوں کے گرنے کی جگہ ابھی یہیں سے گویا اپنی آنکھوں دیکھ رہا ہوں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝١٠ ع ١٥

یہی وہ وقت تھا جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے' اس نے تمہاری فریاد رسی کی کہ میں تمہاری امداد ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے کروں گا ○ اسے تو اللہ نے صرف تمہارے لئے ایک خوشخبری بنائی تھی کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں' فتح و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہے' اللہ غالب ہے اور باحکمت ○

سب سے پہلا غزوہ بدر بنیاد لا الہ الا اللہ: ☆☆ (آیت: ۹-۱۰) مسند احمد میں ہے کہ بدر والے دن نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف نظر ڈالی' وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے' پھر مشرکین کو دیکھا' ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی' اسی وقت آپ قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے چادر اوڑھے ہوئے تھے اور تہبند باندھے ہوئے تھے' آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا شروع کی کہ الٰہی جو تیرا وعدہ ہے' اسے اب پورا فرما' الٰہی جو

وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے' وہی کر' اے اللہ اہل اسلام کی یہ تھوڑی سی جماعت اگر ہلاک ہو جائے گی تو پھر کبھی بھی تیری توحید کے ساتھ زمین پر عبادت نہ ہو گی' قفیو نہی آپ دعا اور فریاد میں لگے رہے' یہاں تک کہ چادر مبارک کندھوں پر سے اتر گئی - اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے' آپ کی چادر اٹھا کر آپ کے جسم مبارک پر ڈال کر (پیچھے سے آپ کو اپنی بانہوں میں لے کر) آپ کو وہاں سے ہٹانے لگے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ' اب بس کیجئے آپ نے اپنے رب سے جی بھر کر دعا مانگ لی' وہ اپنے وعدے کو ضرور پورا کرے گا' اسی وقت یہ آیت اتری -

اس کے بعد مشرک اور مسلمان آپس میں گتھم گتھا ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو شکست دی' ان میں سے ستر شخص تو قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے - حضورؐ نے ان قیدی کفار کے بارے میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا یا رسول اللہؐ آخر یہ ہمارے کنبے برادری کے خویش و اقارب ہیں' آپ ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے' مال ہمیں کام آئے گا اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کل انہیں ہدایت دے دے اور یہ ہمارے قوت و بازو بن جائیں پھر آپ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا' آپ نے فرمایا' میری رائے تو اس بارے میں حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کے خلاف ہے' میرے نزدیک تو ان میں سے فلاں جو میرا اقریشی رشتہ دار ہے' مجھے سونپ دیجئے کہ میں اس کی گردن ماروں اور عقیل کو حضرت علیؓ کے سپرد کیجئے کہ وہ اس کا کام تمام کریں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ان کا فلاں بھائی کیجئے کہ وہ اسے صاف کر دیں' ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ ظاہر کر دیں کہ ہمارے دل ان مشرکوں کی محبت سے خالی ہیں' اللہ رب العزت کے نام پر انہیں چھوڑ چکے ہیں اور رشتہ داریاں ان سے توڑ چکے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ سرداران کفر ہیں اور کافروں کے گرو ہیں' انہیں زندہ چھوڑنا مناسب نہیں' حضور ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کیا اور حضرت عمرؓ کی بات کی طرف مائل نہ ہوئے -

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن صبح ہی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں' میں نے پوچھا کہ آخر اس رونے کا کیا سبب ہے؟ اگر کوئی ایسا ہی باعث ہو تو میں بھی ساتھ دوں ورنہ تکلف سے ہی رونے لگوں کیونکہ آپ دونوں بزرگوں کو روتا دیکھتا ہوں' آپؐ نے فرمایا' یہ رونا بوجہ اس عذاب کے ہے جو تیرے ساتھیوں پر فدیہ لے لینے کے باعث پیش ہوا' آپ نے اپنے پاس کے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا' دیکھو اللہ کا عذاب اس درخت تک پہنچ چکا ہے - اسی کا بیان آیت مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى سے مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا تک ہے - پس اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت حلال فرمایا پھر اگلے سال جنگ احد کے موقعہ پر فدیہ لینے کے بدلے ان کی سزا طے ہوئی' ستر مسلمان صحابہؓ شہید ہوئے' لشکر اسلام میں بھگدڑ مچ گئی' آنحضرت ﷺ کے سامنے کے چار دانت شہید ہوئے' آپ کے سر پر جو خود تھا' وہ ٹوٹ گیا' چہرہ خون آلودہ ہو گیا - پس یہ آیت اتری اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ الخ یعنی جب تمہیں مصیبت پہنچی تو کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ جواب دے کہ یہ خود تمہاری اپنی طرف سے ہے - تم اس سے پہلے اس سے دگنی راحت بھی تو پا چکے ہو' یقین مانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے' مطلب یہ ہے کہ یہ فدیہ لینے کا بدل ہے یہ حدیث مسلم شریف وغیرہ میں بھی ہے ابن عباسؓ وغیرہ کا فرمان ہے کہ یہ آیت آنحضرت ﷺ کی دعا کے بارے میں ہے - اور روایت میں ہے کہ جب حضورؐ نے دعا میں اپنا پورا مبالغہ کیا تو حضرت عمرؓ نے کہا' یا رسول اللہ اب مناجات ختم کیجئے' اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے' وہ اسے ضرور پورا کرے گا اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت

مقداد بن اسود نے ایک ایسا کام کیا کہ اگر میں کرتا تو مجھے اپنے اور تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہوتا' آنحضرت ﷺ جب مشرکوں پر بددعا کر رہے تھے تو مقداد بن اسود آئے اور کہنے لگے' ہم آپ سے وہ نہیں کہیں گے جو قوم موسیٰ نے کہا تھا کہ خود اپنے رب کو ساتھ لے کر جا اور لڑ بھڑ لو بلکہ ہم جو کہتے ہیں' وہ کر کے بھی دکھائیں گے چلئے ہم آپ کے دائیں بائیں برابر کفار سے جہاد کریں گے آگے پیچھے بھی ہم ہی ہم نظر آئیں گے' میں نے دیکھا کہ ان کے اس قول سے رسول اللہ ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا- ایک اور روایت میں ہے کہ اس دعا کے بعد حضور ﷺ یہ کہتے ہوئے تشریف لائے کہ عنقریب مشرکین شکست کھائیں گے اور پیٹھ دکھائیں گے (نسائی وغیرہ) ارشاد ہوا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کی جائے گی جو برابر ایک دوسرے کے پیچھے سلسلہ وار آئیں گے اور تمہاری مدد کریں گے' ایک کے بعد ایک آتا رہے گا- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے لشکر کے دائیں طرف میں آئے تھے جس پر کمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی اور بائیں طرف پر حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترے تھے' اس طرف میری کمان تھی- ایک قرأت میں مردفین بھی ہے- مشہور یہ ہے کہ ان دونوں فرشتوں کے ساتھ پانچ پانچ سو فرشتے تھے جو بطور امداد آسمان سے بحکم الٰہی اترے تھے-

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان ایک کافر پر حملہ کرنے کے لئے اس کا تعاقب کر رہا تھا کہ اچانک ایک کوڑا مانگنے کی آواز اور ساتھ ہی ایک گھڑ سوار کی آواز آئی کہ اے خیروم آگے بڑھ' وہیں دیکھا کہ وہ مشرک چت گرا ہوا ہے' اس کا منہ کوڑے کے لگنے سے بگڑ گیا ہے اور ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو گئی ہیں- اس انصاری صحابیؓ نے حضورؐ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تو سچا ہے' یہ تیری آسمانی مدد تھی' پس اس دن ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے کہ ''بدر والے دن فرشتوں کا اترنا'' پھر حدیث لائے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس آئے اور پوچھا کہ بدری صحابہؓ کا درجہ آپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا' اور مسلمانوں سے بہت افضل' حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا' اس طرح بدر میں آنے والے فرشتے بھی اور فرشتوں میں افضل گنے جاتے ہیں- بخاری اور مسلم میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت حاطب بن ابوبلتعہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا مشورہ رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپ نے فرمایا وہ تو بدری صحابی ہیں' تم نہیں جانتے' اللہ تعالیٰ نے بدریوں پر نظر ڈالی اور فرمایا تم جو چاہے کرو' میں نے تمہیں بخش دیا-

پھر فرماتا ہے کہ فرشتوں کا بھیجنا اور تمہیں اس کی خوشخبری دینا صرف تمہاری خوشی اور اطمینان دل کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ ان کو بھیجے بغیر بھی اس پر قادر ہے' جس کی چاہے مدد کرے اور اسے غالب کر دے' بغیر نصرت پروردگار کے کوئی فتح نہیں پا سکتا' اللہ ہی کی طرف سے مدد ہوتی ہے- جیسے فرمان ہے فاذا لقیتم الذین کفروا الخ کافروں سے جب میدان (جنگ) ہو تو گردن مارنا ہے' جب اس میں کامیابی ہو جائے تو پھر قید کرنا ہے' اس کے بعد یا احسان کے طور پر چھوڑ دینا یا فدیہ لے لینا ہے یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہو جائے' یہ ظاہری صورت ہے' اگر رب چاہے تو آپ ہی ان سے بدلے لے لیکن وہ ایک سے ایک کو آزما رہا ہے' اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے' انہیں اللہ تعالیٰ راہ دکھائے گا اور انہیں خوشحال کر دے گا اور جان پہچان کی جنت میں لے جائے گا-

اور آیت میں ہے وتلك الدیام نداولھا بین الناس الخ یہ دن ہم لوگوں میں گھماتے رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ لے اور شہیدوں کو الگ کر لے' ظالموں سے اللہ ناخوش رہتا ہے- اس میں ایمانداروں کا امتیاز ہو جاتا ہے اور یہ کفار کے مٹانے کی صورت ہے- جہاد کا شرعی فلسفہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں کو موحدوں کے ہاتھوں سزا دیتا ہے' اس سے پہلے عام آسمانی عذابوں سے وہ ہلاک کر دیئے جاتے

تھے جیسے قوم نوح پر طوفان آیا' عاد والے آندھی میں تباہ ہوئے' ثمودی چیخ سے غارت کر دیئے گئے' قوم لوط پر پتھر بھی برسے' زمین میں بھی دھنسائے گئے اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں' قوم شعیب پر ابر کا عذاب آیا' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دشمنان دین مع فرعون اور اس کی قوم اور اس کے لشکروں کے ڈبو دیئے گئے۔ اللہ نے توراۃ اتاری اور اس کے بعد سے اللہ کا حکم جاری ہو گیا جیسے فرمان ہے ولقد اتینا موسی الکتاب من؟ بعدما اھلکنا القرون الا ولی بصائر پہلی بستیوں کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو سوچنے سمجھنے کی بات تھی۔ پھر سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دینا شروع کی تا کہ مسلمانوں کے دل صاف ہو جائیں اور کافروں کی ذلت اور بڑھ جائے' جیسے اس امت کو اللہ جل شانہ کا حکم ہے قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم الخ اے مومنو! ان سے جہاد کرو' اللہ انہیں تمہارے ہاتھوں سزا دے گا' انہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں ان پر مدد عطا فرما کر مومنوں کے سینے صاف کر دے گا۔ اس میدان بدر میں گھمنڈ و نخوت کے پتلوں کا' کفر کے سرداروں کا ان مسلمانوں کے ہاتھ قتل ہونا جن پر ہمیشہ ان کی نظریں ذلت و حقارت کے ساتھ پڑتی رہیں' کچھ کم نہ تھا' ابوجہل اگر اپنے گھر میں اللہ کے کسی عذاب سے ہلاک ہو جاتا تو اس میں وہ شان نہ تھی جو معرکہ قتال میں مسلمانوں کے ہاتھوں ٹکڑے ہونے میں ہے۔

جیسے کہ ابولہب کی موت اسی طرح کی واقع ہوئی تھی کہ اللہ کے عذاب میں ایسا سڑا کہ موت کے بعد کسی نے نہ تو اسے نہلایا نہ دفنایا بلکہ دور سے پانی ڈال کر لوگوں نے پتھر پھینکنے شروع کئے اور انہیں میں وہ دب گیا۔ اللہ عزت والا ہے' پھر اس کا رسولؐ اور ایماندار دنیا و آخرت میں عزت اور بھلائی ان ہی کے حصے کی چیز ہے جیسے ارشاد ہے انا لننصر رسلنا الخ ہم ضرور بہ ضرور اپنے رسولوں کی' ایماندار بندوں کی اس جہان میں اور اس جہان میں مدد فرمائیں گے۔ اللہ حکیم ہے' گو وہ قادر تھا کہ بغیر تمہارے لڑے بھڑے کفار کو ملیا میٹ کر دے' لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے جو وہ تمہارے ہاتھوں انہیں ڈھیر کر رہا ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ
مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ
وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ
إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ
الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا
اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ
عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

جبکہ اس نے اپنے پاس سے تمہاری تسکین کے لئے تم پر اونگھ ڈال دی اور تم پر آسمان سے بارش برسائی کہ تمہیں اس سے پاک صاف کر دے اور تم سے شیطانی آلودگی

کو دور کردے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور اس کے ذریعے سے تمہارے قدم جمادے ○ جبکہ تیرے پروردگار نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس تم گردنوں کے اوپر وار لگاؤ اور ان کی پور پور پر ضرب لگاؤ ○ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو بھی اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ بھی بڑی سخت مار مارنے والا ہے ○ یہ ہے اس کا ذائقہ تم چکھتے رہو، بیشک کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے ○

تائید الٰہی کے بعد فتح و کامرانی: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۴) اللہ تعالیٰ اپنے احسانات بیان فرماتا ہے کہ اس جنگ بدر میں جبکہ اپنی کمی اور کافروں کی زیادتی، اپنی بے سروسامانی اور کافروں کے پرشوکت سروسامان دیکھ کر مسلمانوں کے دل پر برا اثر پڑ رہا تھا، پروردگار نے ان کے دلوں کے اطمینان کے لئے ان پر اونگھ ڈال دی۔ جنگ احد میں بھی یہی حال ہوا تھا جیسے فرمان ہے ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشیٰ الخ، یعنی پورے غم و رنج کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمہیں امن دیا جو اونگھ کی صورت میں تمہیں ڈھانپے ہوئے تھا، ایک جماعت اسی میں مشغول تھی۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد والے دن اونگھ غالب آ گئی تھی، اس وقت نیند میں جھوم رہا تھا، میری تلوار میرے ہاتھ سے گر پڑتی تھی اور میں اٹھاتا تھا، میں نے جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ لوگ ڈھالیں سروں پر رکھے ہوئے نیند کے جھولے لے رہے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر والے دن ہمارے پورے لشکر میں گھڑ سوار صرف ایک ہی حضرت مقدادؓ تھے، میں نے نگاہ بھر کر دیکھا کہ سارا لشکر نیند میں مست ہے، صرف رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے آپ ایک درخت تلے نماز میں مشغول تھے، روتے جاتے تھے اور نماز پڑھتے جاتے تھے، صبح تک آپ اسی طرح مناجات میں مشغول رہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میدان جنگ میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن کا ملنا ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حرکت ہے اونگھ صرف آنکھوں میں ہی ہوتی ہے اور نیند کا تعلق دل سے ہے یہ یاد رہے کہ اونگھ آنے کا مشہور واقعہ تو جنگ احد کا ہے، لیکن اس آیت میں جو بدر کے واقعہ کے قصے کے بیان میں ہے، اونگھ کا اترنا موجود ہے۔ پس سخت لڑائی کے وقت یہ واقعہ ہوا اور مومنوں کے دل اللہ کے عطا کردہ امن سے مطمئن ہو گئے، یہ بھی مومنوں پر اللہ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و رحم تھا، سچ ہے سختی کے بعد آسانی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ رسول کریم ﷺ ایک چھپر تلے دعا میں مشغول تھے جو حضورؐ اونگھنے لگے، تھوڑی دیر میں جاگے اور تبسم فرما کر حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا، خوش ہو، یہ ہیں جبرئیل (علیہ السلام) گرد آلود، پھر آیت قرآنی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ پڑھتے ہوئے جھونپڑے کے دروازے سے باہر تشریف لائے یعنی ابھی ابھی یہ لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔ دوسرا احسان اس جنگ کے موقعہ پر یہ ہوا کہ بارش برس گئی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مشرکوں نے میدان بدر کے پانی پر قبضہ کر لیا تھا، مسلمانوں کے اور پانی کے درمیان وہ حائل ہو گئے تھے مسلمان کمزوری کی حالت میں تھے، شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ تم تو اپنے آپ کو اللہ والے سمجھتے ہو اور اللہ کے رسولؐ کو اپنے میں موجود مانتے ہو اور حالت یہ ہے کہ پانی تک تمہارے قبضے میں نہیں؟ مشرکین کے ہاتھ میں پانی ہے، تم نماز بھی جنبی ہونے کی حالت میں پڑھ رہے ہو، تو ایسے وقت آسمان سے مینہ برسنا شروع ہوا اور پانی کی ریل پیل ہو گئی، مسلمانوں نے پانی پیا بھی، پلایا بھی، نہا دھو کر پاکی بھی حاصل کر لی اور پانی بھر بھی لیا اور شیطانی وسوسہ بھی زائل ہو گیا اور جو چکنی مٹی پانی کے راستے میں تھی، دھل کر وہاں کی سخت زمین نکل آئی اور ریت جم گئی کہ اس پر آمد و رفت آسان ہو گئی اور فرشتوں کی امداد آسمان سے آ گئی، پانچ سو فرشتے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی ماتحتی میں اور پانچ سو حضرت میکائیلؑ کی ماتحتی میں۔ مشہور یہ ہے کہ آپ جب بدر کی طرف تشریف لے چلے تو سب سے پہلے جو پانی تھا، وہاں

ٹھہرے' حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ کو اللہ کا حکم یہاں پڑاؤ کرنے کا ہوا تب تو خیر اور اگر جنگی مصلحت کے ساتھ پڑاؤ کیا ہو تو آپ اور آگے چلئے۔ آخری پانی پر قبضہ کیجئے۔ وہیں حوض بنا کر یہاں کے سب پانی وہاں جمع کر لیں تو پانی پر ہمارا قبضہ رہے گا اور دشمن پانی کے بغیر رہ جائے گا اور آپ نے یہی کیا بھی۔ مغازی اموی میں ہے کہ اس رائے کے بعد جبرئیلؑ کی موجودگی میں ایک فرشتے نے آ کر آپ کو سلام پہنچایا اور اللہ کا حکم بھی کہ یہی رائے ٹھیک ہے' آپ نے اس وقت حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا کہ آپ انہیں جانتے ہیں؟ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا' میں آسمان کے تمام فرشتوں سے واقف نہیں ہوں۔ ہاں ہے تو یہ فرشتہ' شیطان نہیں' شیطان نہیں' سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ مشرکین ڈھلوان کی طرف تھے اور مسلمان اونچائی کی طرف' بارش ہونے سے مسلمانوں کی طرف تو زمین ڈھل کر صاف ہو گئی اور پانی سے انہیں نفع پہنچا لیکن مشرکین کی طرف پانی کھڑا ہو گیا' کیچڑ اور پھسلن ہو گئی کہ انہیں چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا حضرت مجاہد کہتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش اونگھ سے پہلے نازل کی' غبار جم گیا' زمین سخت ہو گئی' دلوں میں خوشی پیدا ہو گئی' ثابت قدمی میسر ہو چکی' اب اونگھ آنے لگی اور مسلمان تازہ دم ہو گئے۔ صبح لڑائی ہونے والی تھی' رات کو ہلکی سی بارش ہو گئی' ہم درختوں تلے جا چھپے' حضورؐ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاتے رہے' یہ اس لئے کہ اللہ تمہیں پاک کر دے' وضو بھی کر لو اور غسل بھی' اس ظاہری پاکی کے ساتھ ہی باطنی پاکیزگی بھی حاصل ہوئی' شیطانی وسوسے بھی دور ہو گئے' دل مطمئن ہو گئے' جیسے کہ جنتیوں کے بارے میں فرمان ہے کہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ الخ ان کے بدن پر سبز باریک اور موٹے ریشمی کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور انہیں ان کا رب پاک صاف شربت پلائے گا پس لباس اور زیور تو ظاہری زینت کی چیز ہوئی اور پاک کرنے والا پانی جس سے دلوں کی پاکیزگی اور حسد و بغض کی دوری ہو جائے' یہ تھی باطنی زینت۔

پھر فرماتا ہے کہ اس سے مقصود دلوں کی مضبوطی بھی تھی کہ صبر و برداشت پیدا ہو شجاعت و بہادری ہو دل بڑھ جائے۔ ثابت قدمی ظاہر ہو جائے اور حملے میں استقامت پیدا ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ پھر اپنی ایک باطنی نعمت کا اظہار فرما رہا ہے تاکہ مسلمان اس پر بھی اللہ کا شکر بجا لائیں کہ اللہ تعالیٰ تبارک و تقدس وتمجد نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور مسلمانوں کی مدد و نصرت کرو' ان کے ساتھ مل کر ہمارے دشمنوں کو نیچا دکھاؤ' ان کی گنتی گھٹاؤ اور ہمارے دوستوں کی تعداد بڑھاؤ۔ کہا گیا ہے کہ فرشتہ کسی مسلمان کے پاس آتا اور کہتا کہ مشرکوں میں عجیب بددلی پھیلی ہوئی ہے' وہ تو کہہ رہے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو ہمارے قدم نہیں جم سکتے۔ ہم تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اب ہر ایک دوسرے سے کہتا' دوسرا تیسرے سے' پھر صحابہؓ کے دل بڑھ جاتے اور سمجھ لیتے کہ مشرکوں میں طاقت وقوت نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ اے فرشتو تم اس کام میں لگو' ادھر میں مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دوں گا' میں ان کے دلوں میں ذلت اور حقارت ڈال دوں گا' میرے حکم کے نہ ماننے والوں کا میرے رسول کے منکروں کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر تم ان کے سروں پر وار لگا کر دماغ نکال دو' گردنوں پر تلوار مار کر سر اور دھڑ میں جدائی کر دو' ہاتھ پاؤں اور جوڑ جوڑ پور پور کو تاک تاک کر زخم لگاؤ۔ پس گردنوں کے اوپر سے بعض کے نزدیک مراد تو سر ہیں اور بعض کے نزدیک خود گردن مراد ہے۔ چنانچہ اور جگہ ہے فَضَرْبَ الرِّقَابِ گردنیں مارو۔ حضورؐ فرماتے ہیں' میں قدرتی عذابوں سے لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا نہیں گیا بلکہ گردن مارنے اور قید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ گردن پر اور سر پر وار کرنے کا استدلال اس سے ہو سکتا ہے۔ مغازی اموی میں ہے کہ مقتولین بدر کے پاس سے جب رسول اللہ ﷺ گذرے تو ایک شعر کا ابتدائی ٹکڑا آپ نے پڑھ دیا' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا شعر پڑھ دیا' آپ کو نہ شعر یاد تھے نہ آپ کے لائق۔ اس شعر کا مطلب یہی ہے کہ جو لوگ ظالم اور باغی تھے اور آج تک غلبے اور شوکت سے تھے' آج ان کے سر ٹوٹے ہوئے اور

ان کے دماغ بکھرے ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو مشرک لوگ فرشتوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے انہیں مسلمان اس طرح پہچان لیتے تھے کہ ان کی گردنوں کے اوپر اور ہاتھ پیروں کے جوڑ ایسے زخم زدہ تھے جیسے آگ سے جلے ہونے کے نشانات۔ بنان جمع ہے بنانۃ کی۔ عربی شعروں میں بنانۃ کا استعمال موجود ہے پس ہر جوڑ اور ہر حصے کو بنان کہتے ہیں۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں منہ پر' آنکھ پر' آگ کے کوڑے برساؤ' ہاں جب انہیں گرفتار کرلو پھر نہ مارنا۔ ابوجہل ملعون نے کہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے' مسلمانوں کو زندہ گرفتار کرلو تاکہ ہم انہیں اس بات کا مزہ زیادہ دیر تک چکھائیں کہ وہ ہمارے دین کو برا کہتے تھے' ہمارے دین سے ہٹ گئے تھے' لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ بیٹھے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور فرشتوں کو یہ حکم دیا۔

چنانچہ جو ستر آدمی ان کافروں کے قتل ہوئے' ان میں ایک یہ پاجی بھی تھا اور جو ستر آدمی قید ہوئے' ان میں ایک عقبہ بن ابی معیط بھی تھا لعنہ اللہ تعالیٰ' اس کو قید میں ہی قتل کیا گیا اور اس سمیت مقتولین مشرکین کی تعداد ستر ہی تھی' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کا نتیجہ اور بدلہ یہ ہے۔ شقاق ماخوذ ہے شق سے' شق کہتے ہیں پھاڑنے چیرنے اور دو ٹکڑے کرنے کو' پس ان لوگوں نے گویا شریعت' ایمان اور فرمانبرداری کو ایک طرف کیا اور دوسری جانب خود رہے۔ لکڑی کے پھاڑنے کو بھی عرب یہی کہتے ہیں جبکہ لکڑی کے دو ٹکڑے کر دیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف چل کر کوئی بچ نہیں سکا کون ہے جو اللہ سے چھپ جائے اور اس کے بے پناہ اور سخت عذابوں سے بچ جائے؟ نہ کوئی اس کے مقابلے کا' نہ کسی کو اس کے عذابوں کی طاقت' نہ اس سے کوئی بچ نکلے' نہ اس کا غضب کوئی سہہ سکے' وہ بلند و بالا' وہ غالب اور انتقام والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود اور رب نہیں' وہ اپنی ذات میں' اپنی صفتوں میں یکتا اور لاشریک ہے۔ اے کافرو! دنیا کے یہ عذاب اٹھاؤ اور ابھی آخرت میں دوزخ کا عذاب باقی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَاۗءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦﴾

اے مومنو جب کافروں سے دستی جنگ ہونے لگے تو خبردار ان سے پیٹھ نہ پھیرنا ○ ایسے دن جو بھی ان سے منہ موڑے سوائے ان کے جو لڑائی کے لئے داؤ گھات کرتے ہوں یا جو اپنے لشکر سے ملنا چاہتے ہوں' وہ غضب اللہ لے کر مڑتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو جاتا ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے ○

شہیدان وفا کے قصے : ☆☆ (آیت: ۱۵-۱۶) جہاد کے میدان میں جو مسلمان بھی بھاگ کھڑا ہو' اس کی سزا اللہ کے ہاں جہنم کی آگ ہے۔ جب لشکر کفار سے مڈبھیڑ ہو جائے' اس وقت پیٹھ پھیرنا حرام ہے' ہاں اس شخص کے لئے جو فن جنگ کے طور پر پینترا بدلے یا دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر موقعہ پر وار کرنے کے لئے بھاگے' یا اس طرح لشکر کا لشکر پیچھے ہٹے اور دشمن کو گھات میں لے کر پھر ان پر اچانک چھاپہ مار دے تو بے شک اس کے لئے پیٹھ پھیرنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں جاتا ہو جہاں چھوٹے سے لشکر سے بڑے لشکر کا ٹکراؤ ہو' یا اپنے امیر سے ملنا ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا' میں بھی اس میں ہی تھا' لوگوں میں بھگدڑ مچی' میں بھی بھاگا' ہم لوگ بہت ہی نادم ہوئے کہ ہم اللہ کی راہ سے

بھاگے ہیں' اللہ کا غضب ہم پر ہے' ہم اب مدینے جائیں اور وہاں رات گذار کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش ہوں' اگر ہماری توبہ کی کوئی صورت نکل آئے تو خیر ورنہ ہم جنگلوں میں نکل جائیں- چنانچہ نماز فجر سے پہلے ہم جا کر بیٹھ گئے' جب حضورؐ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون لوگ ہو؟ ہم نے کہا بھاگنے والے' آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تم لوٹنے والے ہو' میں تمہاری جماعت ہوں اور میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں' ہم نے بے ساختہ آگے بڑھ کر حضورؐ کے ہاتھ چوم لئے ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے- امام ترمذیؒ اسے حسن کہہ کر فرماتے ہیں' ہم اسے ابن ابی زیاد کے علاوہ کسی کی حدیث سے پہچانتے نہیں-

ابن ابی حاتم میں حضورؐ کے اس فرمان کے بعد آپ کا اس آیت کا تلاوت کرنا بھی مذکور ہے- حضرت ابوعبیدہ جنگ فارس میں ایک پل پر گھیر لئے گئے' مجوسیوں کے ٹڈی دل لشکروں نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا' موقعہ تھا کہ آپ ان میں سے بچ کر نکل آتے لیکن آپ نے مردانہ وار اللہ کی راہ میں جام شہادت نوش فرمایا' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا' اگر وہ وہاں سے میرے پاس چلے آتے تو ان کے لئے جائز تھا کیونکہ میں مسلمانوں کی جماعت ہوں' مجھ سے مل جانے میں کوئی حرج نہیں- ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' لوگو! میں تمہارے لئے وہ جماعت ہوں کہ میدان جنگ سے اگر تم میرے پاس آ جاؤ' آ سکتے ہو- اور روایت میں ہے' میں تمام مسلمانوں کی جماعت ہوں- ایک روایت میں ہے کہ تم اس آیت کا غلط مطلب نہ لینا' یہ واقعہ بدر کے متعلق ہے- اب تمام مسلمانوں کے لئے وہ فئة (جماعت' گروہ) جس کی طرف پناہ لینے کے لئے واپس مڑنا جائز ہے' میں ہوں-

ابن عمرؓ سے نافع نے سوال کیا کہ ہم لوگ دشمن کی لڑائی کے وقت ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور ہمیں یہ معلوم نہیں کہ فئة سے مراد امام لشکر ہے یا مسلمانوں کا جنگی مرکز' آپ نے فرمایا' فئة رسول اللہ ﷺ تھے- میں نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت بدر کے دن اتری ہے- نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد- ضحاک فرماتے ہیں' جو لشکر کفار سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے پاس پناہ لے اس کے لئے جائز ہے- آج بھی امیر اور سالار لشکر کے پاس' یا اپنے مرکز میں جو بھی آئے اس کے لئے یہی حکم ہے' ہاں اس صورت کے سوا نامردی اور بزدلی کے طور پر لشکرگاہ سے جو بھاگ کھڑا ہو' لڑائی میں پشت دکھائے وہ جہنمی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے وہ حرمت کے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے سات گناہوں سے جو مہلک ہیں' بچتے رہو' پوچھا گیا کہ وہ کیا کیا ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو (کرنا یا کرانا)' کسی کو ناحق مار ڈالنا' سود خوری' یتیم کا مال کھانا' میدان جہاد سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہونا' ایماندار پاک دامن بے عیب عورتوں پر تہمت لگانا فرمان ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ لے کر لوٹتا ہے' اس کی لوٹنے اور رہنے سہنے کی جگہ جہنم ہے جو بہت ہی بدتر ہے- بشیر بن معبد کہتے ہیں' میں حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنے آیا تو آپ نے شرط بیان کی' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت اور محمد ﷺ کی عبدیت و رسالت کی شہادت دوں' پانچوں وقت کی نماز قائم رکھوں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں اور حج مطابق اسلام. ... وں اور رمضان المبارک کے مہینے کے روزے رکھوں اور اللہ کی راہ میں جہاد کروں' میں نے کہا یا رسول اللہؐ اس میں سے دو کام میرے بس کے نہیں ایک تو جہاد' دوسرے زکوٰۃ' میں نے تو سنا ہے کہ جہاد میں پیٹھ دکھانے والا اللہ کے غضب میں آ جاتا ہے' مجھے تو ڈر ہے کہ موت کا بھیانک سماں کہیں کسی وقت میرا منہ نہ پھیر دے اور مال غنیمت اور عشر ہی میرے پاس ہوتا ہے وہ ہی میرے بچوں اور گھر والوں کا اثاثہ ہے- سواری لیں اور دودھ پئیں- اسے میں کسی کو کیسے دے دوں- آپ نے اپنا ہاتھ ہلا کر فرمایا' جب جہاد بھی نہ ہو اور صدقہ بھی نہ ہو تو جنت کیسے مل جائے؟ میں نے کہا اچھا یا رسول اللہؐ سب شرطیں منظور ہیں چنانچہ میں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی' یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں' مسند احمد میں ہے اور اس سند سے غریب ہے-

طبرانی میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ تین گناہوں کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی اللہ کے ساتھ شرک‘ ماں باپ کی نافرمانی‘ لڑائی سے بھاگنا یہ حدیث بھی بہت غریب ہے۔ اسی طبرانی میں ہے‘ آپ فرماتے ہیں جس نے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو واتوب الیہ پڑھ لیا‘ اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں گو وہ لڑائی سے بھاگا ہو‘ ابوداؤد اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے غریب بتاتے ہیں اور آنحضرتؐ کے مولیٰ زید اس کے راوی ہیں‘ ان سے اس کے سوا کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ بھاگنے کی حرکت کا یہ حکم صحابہ کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے کہ ان پر جہاد فرض عین تھا اور کہا گیا ہے کہ انصار کے ساتھ ہی مخصوص تھا‘ اس لئے کہ ان کی بیعت سننے اور ماننے کی تھی‘ خوشی میں بھی اور ناخوشی میں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بدری صحابہؓ کے ساتھ یہ خاص تھا کیونکہ ان کی کوئی جماعت تھی ہی نہیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ اے اللہ اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں‘ یومئذ سے مراد بدر کا دن ہے۔ اب اگر کوئی اپنی بڑی جماعت کی طرف آ جائے یا کسی قلعے میں پناہ لے تو میرے خیال میں تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ یزید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ بدر والے دن جو بھاگے‘ اس کے لئے دوزخ واجب تھی‘ اس کے بعد جنگ احد ہوئی۔ اس وقت یہ آیات اتریں اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ سے عفا اللہ عنھم تک۔ اس کے سات سال بعد جنگ حنین ہوئی جس کے بارے میں قرآنی ذکر ہے ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ پھر اللہ نے جس کی چاہی توبہ قبول فرمائی۔ ابوداؤد‘ نسائی‘ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ ابوسعیدؓ فرماتے ہیں‘ یہ آیت بدریوں کے بارے میں اتری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ گو یہ مان لیا جائے کہ سبب نزول اس آیت کا بدری لوگ ہیں مگر لڑائی سے منہ پھیرنا تو حرام ہے جیسے کہ اس سے پہلے حدیث میں گذرا کہ سات ہلاک کرنے والے گناہوں میں ایک یہ بھی ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾

پس تم نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور تو نے جب پھینکی تھی تو تو نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینک ماری تھی‘ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر بہترین اور عمدہ احسان کرنا چاہتا تھا‘ اللہ ہے سننے جاننے والا‘ یہ تو ہو چکا ○ اب بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کفار کے حیلوں کو پست وست کرنے والا ہے ○

اللہ کی مدد ہی وجۂ کامرانی ہے: ☆☆ (آیت: ۱۷-۱۸) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ بندوں کے کل کاموں کا خالق میں ہی ہوں‘ بندوں سے جو بھی اچھائیاں سرزد ہوں‘ اس پر قابل تعریف وہی ہے‘ اس لئے کہ توفیق اسی کی طرف سے ہے اور اعانت و مدد بھی اسی کی جانب سے ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے کہ اے مسلمانو! تم نے آپ اپنی طاقت وقوت سے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا‘ تم تو مٹھی بھر تھے اور دشمن بہت زیادہ تھے‘ تم بے کس اور کمزور تھے دشمن کس بل والے‘ قوت‘ طاقت والے تھے۔ یہ اللہ ہی کی مدد تھی کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا جیسے فرمان ہے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ الخ اللہ نے بدر کے دن تمہاری مدد کی۔ اور آیت میں ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ الخ بہت سی جگہ اللہ جل شانہ نے تمہاری امداد فرمائی ہے۔ حنین کے دن بھی جب کہ تمہیں اپنی زیادتی پر گھمنڈ ہوا لیکن وہ بے کار ثابت ہوئی اور یہ

وسیع زمین تم پر تنگ ہوگئی اور آخر منہ موڑ کر تم بھاگ کھڑے ہوئے' پس ثابت ہوا کہ گنتی کی زیادتی' ہتھیاروں کی عمدگی اور ساز و سامان کی فراوانی پر غلبہ موقوف نہیں' وہ تو اللہ کی مدد پر موقوف ہے۔ جیسے ارشاد الٰہی ہے کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ یعنی بسا اوقات چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے بڑے بڑے لشکروں کے منہ پھیر دیئے ہیں اور ان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے' یہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے پھر مٹی کی اس مٹھی کا ذکر ہو رہا ہے جو حضور ﷺ نے بدر کی لڑائی میں کافروں کی طرف پھینکی تھی۔ پہلے تو آپ نے اپنی جھونپڑی میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی' روئے' گڑگڑائے اور مناجات کر کے باہر نکلے اور کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا ان کے چہرے بگڑ جائیں' ان کے منہ پھر جائیں' ساتھ ہی صحابہؓ کو حکم دیا کہ فوراً حملہ کر دو' ادھر حملہ ہوا' ادھر سے وہ کنکریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کافروں کی آنکھوں میں ڈال دیں' وہ سب اپنی آنکھیں مل ہی رہے تھے کہ لشکر اسلام ان کے سر پر پہنچ گیا۔ پس فرماتا ہے کہ وہ مٹھی تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکی تھی یعنی پھینکی تو حضورؐ نے لیکن ان کی آنکھوں تک پہنچا کر انہیں شکست دینے والا اللہ تعالیٰ ہی تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی جس میں یہ بھی کہا کہ اے میرے پروردگار' اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت زمین پر نہ کی جائے گی' اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا' یا رسول اللہ' آپ ایک مٹھی زمین سے مٹی کی بھر لیں اور ان کے منہ کی طرف پھینک دیں چنانچہ آپؐ نے یہی کیا پس مشرکین کے سارے لشکر کے منہ اور آنکھ اور نتھنوں میں وہ مٹی گھس گئی اور انہیں پیٹھ پھیرتے ہی بنی۔ سدیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں حضرت علیؓ سے فرمایا' کنکریوں کی ایک مٹھی زمین سے بھر کر مجھے دو' حضرت علیؓ نے مٹھی بھر دی جس میں کنکریاں بھی تھیں اور مٹی بھی' آپ نے مشرکوں کی طرف وہ مٹھی پھینکی جس سے ان کی آنکھیں بھر گئیں' ادھر سے مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا اور قتل کرنا اور قیمہ کرنا شروع کر دیا' اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ یہ تیرے بس کی بات نہ تھی بلکہ یہ اللہ کے بس کی چیز تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ تین کنکر لے کر آپ نے پھینکے تھے' ایک دائیں ایک بائیں ایک بیچ میں گو حنین والے دن بھی آپ نے کنکریاں مشرکوں کی طرف پھینکی تھیں لیکن یہاں ذکر جنگ بدر کے دن کا ہے حکیم بن حزام کا بیان ہے کہ جنگ بدر کے دن ہم نے ایک آواز سنی کہ گویا آسمان سے کوئی کنکر کسی طشت میں گرا' اسی وقت حضورؐ کی پھینکی ہوئی کنکریاں ہم میں پہنچیں اور ہمیں شکست ہوئی۔ یہ روایت اس سند سے بہت غریب ہے یہاں دو قول اور بھی ہیں لیکن بالکل غریب ہیں' ایک تو یہ کہ خیبر کی جنگ کے موقع پر یوم ابن ابی الحقیق میں رسول اللہ ﷺ نے ایک کمان منگائی' لوگوں نے بہت لمبی کمان لا کر آپ کو دی آپ نے اس سے قلعے کی طرف تیر پھینکا' وہ گھومتا ہوا چلا اور سردار قلعہ ابوالحقیق کو اس کے گھر میں اس کے بستر پر جا کر لگا اور اسی سے وہ مرا' اس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ وہ تیر تو نے نہیں بلکہ ہم نے پھینکا تھا' یہ روایت غریب ہے ممکن ہے' راوی کو شبہ ہو گیا ہو یا مراد ان کی یہ ہو کہ یہ آیت عام ہے یہ واقعہ بھی اسی میں شامل ہے' ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی اس آیت میں جنگ بدر کے بیان کا ذکر ہے' تو یہ واقعہ اسی جنگ بدر کا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے واللہ اعلم۔

دوسرا غریب قول یہ ہے کہ احد کی لڑائی والے دن آنحضرت ﷺ نے ابی بن خلف کو ایک نیزہ مارا تھا' یہ لوہے میں غرق تھا لیکن تاہم نیزہ اس کے تالو پر جا لگا اور یہ گھوڑے سے لڑھکنے لگا' اسی میں اس کی موت ہوئی' اس دنیوی عذاب کے ساتھ ہی آخرت کا عذاب بھی شامل ہو گیا لیکن غالباً اس قول سے مراد آیت کا عام ہونا ہے نہ یہ کہ اسی بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے' تاکہ مومنوں کو اپنی نعمت کا اقرار کرا دے کہ باوجود ان کی کثرت' ان کی قلت' ان کے ساز و سامان' ان کی بے سرو سامانی کے رب العالمین نے انہیں ان پر غالب کر دیا۔ حدیث میں ہے' ہر ایک امتحان ہمارا امتحان ہے اور ہم پر اللہ کا احسان ہے۔ اللہ دعاؤں کا سننے والا ہے' وہ خوب جانتا ہے کہ مدد اور غلبے کا مستحق کون ہے۔ پھر فرماتا ہے اس فتح کے ساتھ ہی یہ خوش خبری بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے حیلے حوالے کمزور کر دے گا' ان کی شان گھٹا دے گا ان کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہو گا اور یہی ہوا بھی۔ فالحمدللہ۔

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ ع

تم جو فتح مانگا کرتے تھے تو اب تو تمہارے سامنے ہی فتح ہو گئی' اب بھی اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر لوٹو گے تو ہم بھی پھر لوٹیں گے یقین مانو کہ تمہارا جتھا گو کتنا ہی بڑا ہو تمہیں کچھ بھی تو نفع نہ پہنچا سکے گا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے ○

ایمان والوں کا معین و مددگار اللہ عزاسمہٗ: ☆☆ (آیت:۱۹) اللہ تعالیٰ کافروں سے فرما رہا ہے کہ تم یہ دعائیں کرتے تھے کہ ہم میں اور مسلمانوں میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے جو حق پر ہو اسے غالب کر دے اور اس کی مدد فرمائے تو اب تمہاری یہ خواہش بھی پوری ہو گئی' مسلمان بحکم الٰہی اپنے دشمنوں پر غالب آ گئے۔ ابوجہل نے بدر والے دن کہا تھا کہ اے اللہ ہم میں سے جو رشتوں ناتوں کا توڑنے والا ہو اور غیر معروف چیز لے کر آیا ہوا سے تو کل کی لڑائی میں شکست دے' پس اللہ تعالیٰ نے یہی کیا اور یہ اور اس کا لشکر ہار گئے۔ مکہ سے نکلنے سے پہلے ان مشرکوں نے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر دعا کی تھی کہ الٰہی دونوں لشکروں میں سے تیرے نزدیک جو اعلیٰ ہو اور زیادہ بزرگ ہو اور زیادہ بہتری والا ہو' تو اس کی مدد کر' پس اس آیت میں ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ لو اللہ کی مدد آ گئی' تمہارا کہا ہوا پورا ہو گیا' ہم نے اپنے نبی کو جو ہمارے نزدیک بزرگ' بہتر اور اعلیٰ تھا غالب کر دیا۔ خود قرآن نے ان کی دعا نقل کی ہے کہ یہ کہتے تھے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندك الخ' الٰہی اگر یہ تیری جانب سے راست ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لا۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر اب بھی تم اپنے کفر سے باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے' اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کو نہ جھٹلاؤ تو دونوں جہان میں بھلائی پاؤ گے اور اگر پھر تم نے یہی کفر و گمراہی کی تو ہم بھی اسی طرح مسلمانوں کے ہاتھوں تمہیں پست کریں گے' اگر تم نے پھر اسی طرح فتح مانگی تو ہم پھر اپنے نیک بندوں پر اپنی مدد اتاریں گے' لیکن پہلا قول قوی ہے' یاد رکھو گو تم سب کے سب مل کر چڑھائی کرو' تمہاری تعداد کتنی ہی بڑھ جائے' اپنے تمام لشکر جمع کر لو لیکن سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں گی' جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ خالق کائنات مومنوں کے ساتھ ہے اس لئے کہ وہ اس کے رسول کے ساتھ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا

وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ
الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ
وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور باوجود سننے کے تم اس سے روگردانی نہ کرو ○ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے باوجود نہ سننے کے کہہ دیا کہ ہم نے سن لیا ○ یقیناً تمام جان داروں سے زیادہ برے اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو کچھ بھی عقل نہیں رکھتے ○ اگر اللہ کے علم میں ان میں کوئی بھی بھلائی ہوتی تو وہ انہیں ضرور سنا دیتا اور اگر وہ انہیں سنوائے بھی جب بھی یہ تو منہ موڑ کر الٹے بھاگیں گے ○

اللہ کی نگاہ میں بدترین مخلوق: ☆☆ (آیت: ۲۰-۲۳) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو اپنی اور اپنے رسول کی فرمانبرداری کا حکم دیتا ہے اور مخالفت سے اور کافروں جیسا ہونے سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اطاعت کو نہ چھوڑو' تابع داری سے منہ نہ موڑو' جن کاموں سے اللہ اور اس کا رسول روک دے' رک جایا کرو' سن کر ان سنی نہ کر دیا کرو' مشرکوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ سنا نہیں اور کہہ دیا کہ سن لیا' نہ منافقوں کی طرح بنو کہ بظاہر ماننے والا ظاہر کر دیا اور درحقیقت یہ بات نہیں۔ بدترین مخلوق جانوروں' کیڑے مکوڑوں سے بھی برے اللہ کے نزدیک ایسے ہی لوگ ہیں جو حق باتوں سے اپنے کان بہرے کر لیں اور حق کے سمجھنے سے گونگے بن جائیں' بے عقلی سے کام لیں' اس لئے کہ تمام جانور بھی اللہ قادر کل کے زیر فرمان ہیں' جو جس کام کے لئے بنایا گیا ہے' اس میں مشغول ہے مگر یہ ہیں کہ پیدا کئے گئے عبادت کے لئے لیکن کفر کرتے ہیں چنانچہ اور آیت میں انہیں جانوروں سے تشبیہ دی گئی' فرمان ہے مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً الخ کافروں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انہیں آواز دے تو سوائے پکار اور ندا کے کچھ نہ سنیں۔ اور آیت میں ہے کہ یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے اور غافل۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے بنو عبدالدار کے قریشی ہیں۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں' مراد اس سے منافق ہیں۔ بات یہ ہے کہ مشرک منافق دونوں ہی مراد ہیں' دونوں میں صحیح فہم اور سلامتی والی عقل نہیں ہوتی نہ ہی عمل صالح کی انہیں توفیق ہوتی ہے' اگر ان میں بھلائی ہوتی تو اللہ انہیں سنا دیتا لیکن نہ ان میں بھلائی' نہ توفیق الٰہی' اللہ جل شانہ کو علم ہے کہ انہیں سنایا بھی سمجھایا بھی تو بھی یہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئیں گے بلکہ اور اکڑ کر بھاگ جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو قبول کر لو جب بھی وہ تمہیں پکارے' اس کام کے لئے جس میں تمہاری زندگی ہے' جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور یہ بھی جان رکھو کہ تم سب اسی کی جانب اکٹھے کئے جاؤ گے ○

دل رب کی انگلیوں میں ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۴) صحیح بخاری شریف میں ہے اسْتَجِيبُوا معنی میں اجیبوا کے ہے لِمَا يُحْيِيكُمْ کے معنی میں بما یصلحکم کے ہے یعنی اللہ اور اس کا رسول تمہیں جب آواز دے' تم جواب دو اور مان لو کیونکہ اس کے فرمان کے ماننے

میں ہی تمہاری مصلحت ہے۔ حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں تھا' آنحضرت ﷺ میرے پاس سے گذرے' مجھے آواز دی' میں آپ کے پاس نہ آیا' جب نماز پڑھ چکا تو حاضر خدمت ہوا' آپؐ نے فرمایا تجھے کس نے روکا تھا کہ تو میرے پاس چلا آئے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو اللہ اور اللہ کا رسول تمہیں جب آواز دیں تم قبول کرلیا کرو کیونکہ اس میں تمہاری زندگی ہے' سن میں اس مسجد سے نکلنے سے پہلے ہی میں تمہیں قرآن کی سب سے بڑی سورت سکھاؤں گا جب آنحضرت ﷺ نے مسجد سے جانے کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلایا۔

اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ہے اور آپ نے وہ سورت فاتحہ بتلائی اور فرمایا سات آیات دہرائی ہوئی یہی ہیں اس حدیث کا پورا بیان سورہ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ زندگی آخرت میں نجات' عذاب سے بچاؤ اور چھٹکارا' قرآن کی تعلیم' حق کو تسلیم کرنے اور اسلام لانے اور جہاد میں ہے' ان ہی چیزوں کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے دیا ہے' اللہ انسان اور اس کے دل میں حائل ہے یعنی مومن میں اور کفر میں' کافر میں اور ایمان میں یہ معنی ایک مرفوع حدیث میں بھی ہیں لیکن ٹھیک یہی ہے کہ یہ قول ابن عباسؓ کا ہے' مرفوع حدیث نہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں یعنی اس کو اس حال میں چھوڑنا ہے کہ وہ کسی چیز کو سمجھتا نہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر نہ ایمان لاسکے نہ کفر کرسکے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت مثل آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کے ہے یعنی بندے کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہم ہیں' اس آیت کے مناسب احادیث بھی ہیں۔ مسند احمد میں ہے آنحضرت ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ تو ہم نے عرض کی' یا رسول اللہؐ ہم آپ پر اور آپ پر اتری ہوئی وحی پر ایمان لاچکے ہیں' کیا پھر بھی آپ کو ہماری نسبت خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا' ہاں اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان دل ہیں' وہ جس طرح چاہتا ہے' ان کا تغیر و تبدل کرتا رہتا ہے' ترمذی میں بھی یہ روایت کتاب القدر میں موجود ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور یہ دعا پڑھا کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك اے دلوں کے پھیرنے والے' میرے دل کو اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رکھ۔ مسند احمد میں ہے' آپ فرماتے ہیں' ہر دل اللہ تعالیٰ رب العالمین کی انگلیوں سے میں دو انگلیوں کے درمیان ہے' جب سیدھا کرنا چاہتا ہے' کردیتا ہے اور جب ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے' کردیتا ہے۔ آپ کی دعا تھی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ' میرا دل اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔ فرماتے ہیں' میزان رب رحمان کے ہاتھ میں ہے' جھکاتا ہے اور اونچی کرتا ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو اکثر سن کر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ بکثرت اس دعا کے کرنے کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا' انسان کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے جب چاہتا ہے' ٹیڑھا کردیتا ہے اور جب چاہتا ہے سیدھا کردیتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ کی اس دعا کو بکثرت سن کر ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا کہ کیا دل پلٹ جاتے ہیں؟ آپ نے یہی جواب دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا پروردگار ہے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت و نعمت عطا فرمائے وہ بڑی ہی بخشش کرنے والا اور بہت انعاموں والا ہے۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں' میں نے حضورؐ سے پھر درخواست کی کہ کیا آپ مجھے میرے لئے بھی کوئی دعا سکھائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہ دعا مانگا کرو اللھم رب النبی محمد اغفرلی ذنبی واذھب غیظ قلبی واجرنی من مضلات الفتن ما احییتنی یعنی اے اللہ اے محمد نبی ﷺ کے پروردگار' میرے گناہ معاف فرما' میرے دل کی سختی دور کردے' مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچالے جب تک بھی تو مجھے زندہ رکھے۔ مسند

احمد میں ہے کہ تمام انسانوں کے دل ایک ہی دل کی طرح اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں' جس طرح چاہتا ہے انہیں الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے' پھر آپ ؐ نے دعا کی کہ اے دلوں کے پھیرنے والے اللہ' ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر لے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اس بلا سے ڈرتے رہو' جو خاص کر انہی لوگوں پر نہیں آئے گی جنہوں نے تم میں سے برے کام کیے ہوں اور جان لو کہ اللہ سخت عذابوں والا ہے ○

برائیوں سے نہ روکنا عذاب الٰہی کا سبب ہے: ☆☆ (آیت: ۲۵) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے کہ اس امتحان اور اس محنت اور فتنے کا خوف رکھو جو گنہگاروں بدکاروں پر ہی نہیں رہے گا بلکہ اس بلاء کی وبا عام ہوگی۔ حضرت زبیرؓ سے لوگوں نے کہا کہ اے ابوعبداللہ تمہیں کونسی چیز لائی ہے؟ تم نے مقتول خلیفہ کو دھوکہ دیا' پھر اس کے خون کے بدلے کی جستجو میں تم آئے' اس پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا' ہم آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس آیت وَاتَّقُوْا الخ' کو پڑھتے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے اہل ہیں یہاں تک کہ یہ واقعات رونما ہوئے۔ اور روایت میں ہے کہ عہد نبویؐ میں ہی ہم اس آیت سے ڈرا دیئے گئے تھے لیکن یہ خیال بھی نہ تھا کہ ہم ہی اس کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علیؓ' عمارؓ' طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے۔ حضرت زبیرؓ فرماتے ہیں' یہ آیت ایک مدت تک پڑھی جاتی رہی لیکن ہمارا خیال یہ بھی تھا کہ اس سے مراد ہم ہیں' اب معلوم ہوا کہ ہم ہی اس سے مراد لئے گئے ہیں۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت خاصتاً اہل بدر کے بارے میں اتری ہے کہ وہ جنگ جمل میں آپس میں خوب لڑے بھڑے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں' مراد اس سے خاص اصحاب رسول ہیں۔ فرماتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ آپس میں کسی خلاف شرع کام کو باقی اور جاری نہ رہنے دیں ورنہ اللہ کے عام عذاب میں سب پکڑ لئے جائیں گے یہ تفسیر نہایت عمدہ ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں' یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' تم میں سے ہر شخص فتنے میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں' پس تم میں سے جو بھی پناہ مانگے' وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے' ہر گمراہ کن فتنے سے پناہ طلب کر لیا کرے۔ صحیح بات یہی ہے کہ اس فرمان میں صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سب کو تنبیہ ہے' گو خطاب انہی سے ہے' اسی پر دلالت ان احادیث کی ہے جو فتنے سے ڈرانے کے لئے ہیں گو ان کے بیان میں ائمہ کرام کی مستقل تصانیف ہیں لیکن بعض مخصوص احادیث ہم یہاں بھی نقل کرتے ہیں' اللہ ہماری مدد فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو اللہ عزوجل عذاب نہیں کرتا' ہاں اگر وہ کوئی برائی دیکھیں اور اس کے مٹانے پر قادر ہوں' پھر بھی اس خلاف شرع کام کو نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب کرتا ہے (مسند احمد) اس کی اسناد میں ایک راوی مبہم ہے۔ اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ' یا تو تم اچھی باتوں کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہو گے' یا اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے کوئی عام عذاب نازل فرمائے گا' پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (مسند احمد)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ ایک آدمی ایک بات زبان سے نکالتا تھا اور منافق ہو جاتا تھا لیکن اب تو تم ایک ہی مجلس میں نہایت بے پرواہی سے چار چار دفعہ ایسے کلمات اپنی زبان سے نکال دیا کرتے ہو' واللہ یا تو تم نیک باتوں کا حکم دو' بری باتوں سے

روکو اور نیکیوں کی رغبت دلاؤ' ورنہ اللہ تعالیٰ تم سب کو تہس نہس کر دے گا' یا تم پر برے لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر نیک لوگ دعائیں کریں گے لیکن وہ قبول نہ فرمائے گا (مسند) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں اپنے کانوں کی طرف اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے فرمایا' اللہ کی حدوں پر قائم رہنے والے' ان میں واقع ہونے والے اور ان کے بارے میں سستی کرنے والوں کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوئے' کوئی نیچے تھا' کوئی اوپر تھا' نیچے والے پانی لینے کے لئے اوپر آتے تھے' اوپر والوں کو تکلیف ہوتی تھی' آخر انہوں نے کہا' آؤ یہیں نیچے سے ہی کشتی کا ایک تختہ توڑ لیں' حسب ضرورت پانی یہیں سے لے لیا کریں گے تاکہ نہ اوپر جانا پڑے نہ انہیں تکلیف پہنچے' پس اگر اوپر والے ان کے کام اپنے ذمہ لے لیں اور انہیں کشتی کے نیچے کا تختہ اکھاڑنے سے روک دیں تو وہ بھی بچیں اور یہ بھی ورنہ وہ بھی ڈوبیں گے اور یہ بھی (بخاری)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عام عذاب ان پر بھیجے گا' ام المومنین ام سلمہؓ نے دریافت کیا' یا رسول اللہ ان میں تو نیک لوگ بھی ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں؟ پوچھا پھر وہ لوگ کیا کریں گے؟ آپ نے فرمایا انہیں بھی وہی پہنچے گا جو اوروں کو پہنچا اور پھر انہیں اللہ کی مغفرت اور رضامندی ملے گی (مسند احمد) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو لوگ برے کام کرنے لگیں اور ان میں کوئی ذی عزت' ذی اثر شخص ہو اور وہ منع نہ کرے' روکے نہیں تو ان سب کو اللہ کا عذاب ہوگا' سزا میں سب شامل رہیں گے (مسند و ابوداؤد وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ کرنے والے تھوڑے ہوں' نہ کرنے والے زیادہ اور ذی اثر ہوں' پھر بھی وہ اس برائی کو نہ روکیں تو اللہ ان سب کو اجتماعی سزا دے گا - مسند کی اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا' جب زمین والوں میں بدی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب اتارتا ہے' ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ان ہی میں اللہ کے اطاعت گذار بندے بھی ہوں گے - آپ نے فرمایا' عذاب عام ہوگا اور پھر وہ اللہ کی رحمت کی طرف لوٹ جائیں گے -

وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ وقت یاد کرو جبکہ تم بہت ہی کم تعداد میں تھے اور روئے زمین پر بہت ہی کمزور تھے' ہر وقت تمہیں کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مخالف لوگ تمہیں اچک لے جائیں گے' پس اللہ نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہاری تائید کی اور تمہیں پاکیزہ چیزیں عنایت فرمائیں اس لئے کہ تم شکر گذاری کرو ○

اہل ایمان پر اللہ کے احسانات: ☆☆ (آیت:۲۶) مومنوں کو پروردگار عالم اپنے احسانات یاد دلا رہا ہے کہ ان کی گنتی اس نے بڑھا دی' ان کی کمزوری کو طاقت سے بدل دیا' ان کے خوف کو امن سے بدل دیا' ان کی ناتوانی کو قوت سے بدل دیا' ان کی فقیری کو امیری سے بدل دیا' انہوں نے جیسے جیسے اللہ کے فرمان کی بجا آوری کی' ویسے ویسے یہ ترقی پا گئے - مومن صحابہؓ مکہ میں قیام کے دوران تعداد میں بہت تھوڑے تھے' چھپے پھرتے تھے' بے قرار رہتے تھے' ہر وقت دشمنوں کا خطرہ لگا رہتا تھا' مجوسی ان کے دشمن' یہودی ان کی جان کے پیچھے' بت پرست ان کے خون کے پیاسے' نصرانی ان کی فکر میں' دشمنوں کی یہ حالت تھی تو ان کی اپنی یہ حالت کہ تعداد میں انگلیوں پر گن لو - بغیر طاقت' شان' شوکت مطلقاً نہیں - اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیتا ہے' یہ مان لیتے ہیں' وہاں پہنچتے ہی اللہ ان کے قدم جما دیتا ہے' وہاں مدینہ والوں کو ان کا ساتھی بلکہ پشت پناہ بنا دیتا ہے' وہ ان کی مدد پر اور ساتھ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں' بدر والے دن اپنی جانیں

ہتھیلیوں پر لئے نکل کھڑے ہوتے ہیں' اپنے مال پانی کی طرح راہ حق میں بہاتے ہیں اور دوسرے موقعوں پر بھی نہ اطاعت چھوڑتے ہیں' نہ ساتھ' نہ سخاوت' نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاند کی طرح چمکنے لگتے ہیں اور سورج کی طرح دمکنے لگتے ہیں۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عرب کے یہ لوگ سب سے زیادہ گرے ہوئے' سب سے زیادہ تنگ حال' سب سے زیادہ بھوکے ننگے' سب سے زیادہ گمراہ اور بے دین و مذہب تھے' جیتے تو ذلت کی حالت میں' مرتے تو جہنمی ہو کر' ہر ایک ان سے سرکچلتا لیکن یہ آپس میں الجھتے رہتے' واللہ روئے زمین پر ان سے زیادہ گمراہ کوئی نہ تھا' اب یہ اسلام لائے' اللہ کے رسولؐ کے اطاعت گذار بنے تو ادھر سے ادھر تک شہروں بلکہ ملکوں پر ان کا قبضہ ہو گیا' دنیا کی دولت ان کے قدموں پر بکھرنے لگی' لوگوں کی گردنوں کے مالک اور دنیا کے بادشاہ بن گئے' یاد رکھو یہ سب سچے دین اور اللہ کے رسولؐ کی تعلیم پر عمل کے نتائج تھے۔ پس تم اپنے پروردگار کے شکر میں لگے رہو اور اس کے بڑے بڑے احسان تم پر ہیں' وہ شکر کو اور شکر کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ سنو شکر گذار نعمتوں کی زیادتی میں ہی رہتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

ع ۱۷

اے ایمان والو! نہ تو اللہ کی خیانت کرو نہ رسول کی خیانت کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم واقف کار ہو ○ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہت بڑا ثواب اور اجر ہے ○

اللہ اور اس کے رسول کی خیانت نہ کرو: ☆☆ (آیت: ۲۷-۲۸) کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے' انہیں آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس بھیجا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی شرط کے ماننے پر قلعہ خالی کر دیں' ان یہودیوں نے آپ ہی سے مشورہ دریافت کیا تو آپ نے اپنی گردن پر ہاتھ پھیر کر انہیں بتا دیا کہ حضورؐ کا فیصلہ تمہارے حق میں یہی ہوگا' اب حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بہت ہی نادم ہوئے کہ افسوس میں نے بہت برا کیا' اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی خیانت کی' اسی ندامت کی حالت میں قسم کھا بیٹھے کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو' میں کھانے کا ایک لقمہ بھی نہ اٹھاؤں گا چاہے مر ہی جاؤں' مسجد نبویؐ میں آ کر ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو بندھوا دیا' نو دن اسی حالت میں گذر گئے' غشی آ گئی' بے ہوش ہو کر مردے کی طرح گر پڑے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کر لی اور یہ آیات نازل ہوئیں' لوگ آئے' آپ کو خوشخبری سنائی اور اس ستون سے کھولنا چاہا تو انہوں نے فرمایا' واللہ میں اپنے آپ کو کسی سے نہ کھلواؤں گا سوائے اس کے کہ خود رسول کریم ﷺ اپنے ہاتھ مبارک سے کھولیں' چنانچہ آپ خود تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے انہیں کھولا' تو آپ عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہؐ میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کر لے تو میں اپنا کل مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں گا' آپ نے ارشاد فرمایا نہیں' صرف ایک تہائی فی سبیل اللہ دے دو' یہی کافی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ابوسفیان مکے سے چلا' جبرئیل علیہ السلام نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ابوسفیان فلاں جگہ

ہے' آپؐ نے صحابہؓ سے ذکر کیا اور فرما دیا کہ اس طرف چلو لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ کرنا لیکن ایک منافق نے اسے لکھ بھیجا کہ تیرے پکڑنے کے ارادے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں' ہوشیار رہنا' پس یہ آیت اتری لیکن یہ روایت بہت غریب ہے اور اس کی سند اور متن دونوں ہی قابل نظر ہیں-

بخاری و مسلم میں حضرت حاطب بن ابو بلتعہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ فتح مکہ والے سال انہوں نے قریش کو خط بھیج دیا جس میں آنحضرت ﷺ کے ارادے سے انہیں مطلع کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خبر کر دی' آپ نے آدمی ان کے پیچھے دوڑائے اور خط پکڑا گیا' حضرت حاطبؓ نے اپنے قصور کا اقرار کیا حضرت عمرؓ نے ان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی کہ اس نے اللہ کے رسولؐ اور مومنوں سے خیانت کی ہے' آپؐ نے فرمایا' اسے چھوڑ دو' یہ بدری صحابیؓ ہے' تم نہیں جانتے' اور بدر والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بذات خود فرما دیا ہے' جو چاہو تم کرو' میں نے تمہیں بخش دیا ہے- میں کہتا ہوں کسی خاص واقعہ کے بارے میں اترنے کے باوجود الفاظ کی عمومیت اپنے حکم عموم پر ہی رہے گی- یہی جمہور علماء کا قول ہے- خیانت عام ہے چھوٹے' بڑے' لازم' متعدی سب گناہ خیانت میں داخل ہیں- اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو یعنی فرض کو ناقص نہ کرو' پیغمبر کی سنت کو نہ چھوڑو' اس کی نافرمانی نہ کرو- عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے اس کے حق کا اظہار کرنا اور در پردہ کرنا اس کے الٹ کرنا' باتیں کرنا اور اس کے سامنے اس کے خلاف کرنا بھی امانت کو ضائع کرنا اور اپنے نفس کی خیانت کرنا ہے- سدیؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے اللہ و رسولؐ کی خیانت کی تو اس نے امانت داری میں رخنہ ڈال دیا- ایک صورت اس کھضور کی زمانے میں یہ بھی تھی کہ آپ کی بات سنی' پھر اسے مشرکوں میں پھیلا دیا' پس منافقوں کے اس فعل سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے-

پھر فرماتا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے امتحان کا باعث ہیں- یہ دیکھیں آیا اللہ کا شکر کرتے ہو اور اس کی اطاعت کرتے ہو؟ یا ان میں مشغول ہو کر' ان کی محبت میں پھنس کر اللہ کی باتوں اور اس کی اطاعت سے ہٹ جاتے ہو؟ اسی طرح ہر خیر و شر سے اللہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''مسلمانو' مال و اولاد کے چکر میں اللہ کی یاد نہ بھول جانا' ایسا کرنے والے نقصان پانے والے ہیں'' - اور آیت میں ہے کہ تمہاری بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں' ان سے ہوشیار رہنا' سمجھ لو کہ اللہ کے پاس اجر یہاں کے مال و اولاد سے بہت بہتر ہیں اور بہت بڑے ہیں کیونکہ ان میں سے بعض تو دشمن ہی ہوتے ہیں اور اکثر بے نفع ہوتے ہیں- اللہ سبحانہ و تعالیٰ متصرف و مالک ہے' دنیا و آخرت اسی کی ہے' قیامت کے ثواب اسی کے قبضے میں ہیں- ایک اثر میں فرمان الٰہی ہے کہ اے ابن آدم مجھے ڈھونڈ' تو پائے گا' مجھے پا لینا تمام چیزوں کو پا لینا ہے' میرا فوت ہو جانا تمام چیزوں کا فوت ہو جانا ہے' میں تیری تمام چیزوں سے تیری محبت کا زیادہ حقدار ہوں-

صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' تین چیزیں جس میں ہوں' اس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی' جسے اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ پیارے ہوں' جو محض اللہ کے لئے دوستی رکھتا ہو اور جسے آگ میں جل جانے سے بھی زیادہ بڑا ایمان کے بعد کفر کرنا معلوم ہوتا ہو- بلکہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی اولاد و مال اور نفس کی محبت پر مقدم ہے جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا' اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی باایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے نفس' اہل' مال' اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں-

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۗ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اے مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو اللہ تمہارے لئے نجات اور فتح کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے ○ اے نبی اللہ کی نعمت کی بھی یاد کر جبکہ کافر تیرے ساتھ فریب بازیاں کر رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں' وہ مکر کر رہے تھے اور اللہ بھی مکر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ○

دنیا و آخرت کی سعادت مندی: ☆☆ (آیت:۲۹) فرقان سے مراد نجات ہے- دنیوی بھی اور اخروی بھی اور فتح و نصرت' غلبہ و امتیاز بھی مراد ہے جس سے حق و باطل میں تمیز ہو جائے- بات یہی ہے کہ جو اللہ کی فرمانبرداری کرے' نافرمانی سے بچے' اللہ اس کی مدد کرتا ہے' جو حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے' دنیا و آخرت کی سعادت مندی حاصل کر لیتا ہے' اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں' لوگوں سے پوشیدہ کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا وہ کامل مستحق ٹھہر جاتا ہے- جیسے فرمان عالی شان ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی اے مسلمانو! اللہ کا ڈر دلوں میں رکھو' اس کے رسول پر ایمان لاؤ' وہ تمہیں اپنی رحمت کے دوہرے حصے دے گا اور تمہارے لئے ایک نور مہیا کر دے گا جس کے ساتھ تم چلتے پھرتے رہو گے اور تمہیں بخش بھی دے گا' اور اللہ غفور و رحیم ہے-

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی ناپاک سازش: ☆☆ (آیت:۳۰) کافروں نے یہی تین ارادے کئے تھے جب ابو طالب نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کفار کے راز اور ان کی پوشیدہ چالیں معلوم بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا' ہاں وہ تین مشورے کر رہے ہیں' اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ آپ نے فرمایا میرے پروردگار نے' اس نے کہا آپ کا پروردگار بہترین پروردگار ہے' تم اس کی خیر خواہی میں ہی رہنا' آپ نے فرمایا' میں اس کی خیر خواہی کیا کرتا' وہ خود میری حفاظت اور بھلائی کرتا ہے' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے- لیکن اس واقعہ میں ابو طالب کا ذکر بہت غریب بلکہ منکر ہے اس لئے کہ آیت تو مدینے میں اتری ہے اور کافروں کا یہ مشورہ ہجرت کی رات تھا اور یہ واقعہ ابو طالب کی موت کے تقریباً تین سال بعد کا ہے' اسی کی موت نے ان کی جرأتیں دوبالا کر دی تھیں- اس ہمت اور نصرت کے بعد ہی تو کافروں نے آپ کی ایذادہی پر کمر باندھی تھی- چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ قریش کے تمام قبیلوں کے سرداروں نے دارالندوہ میں جمع ہونے کا ارادہ کیا' ملعون ابلیس انہیں ایک بہت بڑے مقطع بزرگ کی صورت میں ملا' انہوں نے پوچھا' آپ کون ہیں؟ اس نے کہا' اہل نجد کا شیخ ہوں' مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ آج ایک مشورے کی غرض سے جمع ہونے والے ہیں' میں بھی حاضر ہوا کہ اس مجلس میں شامل ہو جاؤں اور رائے میں اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہ کروں' آخر مجلس جمع ہوئی تو اس نے کہا' اس شخص کے بارے میں پورے غور و خوض سے کوئی صحیح رائے قائم کر لو' واللہ اس نے تو سب کا ناک میں دم کر دیا ہے' کسی نے کہا اسے قید کر دو پھر بھول جاؤ' یہ سڑ سڑ کر مر جائے گا جیسے کہ زہیر اور نابغہ وغیرہ

شاعروں کا حشر ہوا' یہ بھی توان ہی شاعروں میں سے ایک ہے۔اس پر شیخ نجد (ابلیس) نے کہا' یہ رائے ٹھیک نہیں' دیکھو ایسا کرنے سے اس کے جتنے ساتھی ہیں' وہ اچانک حملہ کر کے تم پر چڑھائی کر دیں گے اور تم سے لڑ بھڑ کر اسے چھڑا لے جائیں گے' پھر یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنے حلیفوں سے مدد لے کر تم سے زبردست انتقام لے' سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں' بھئی کوئی اور رائے پیش کرو' کسی نے کہا' اسے یہاں سے نکال دو' جلاوطن کر دو' پھر اس کے کرتوت تمہیں کوئی نقصان نہیں دیں گے' وہ یہاں سے دفع ہو جائیں گے کہیں منہ چھپائے پڑا رہے گا' تم اس کی ایذا سے چھوٹ جاؤ گے' غیروں میں اس کا برا حشر ہوگا۔ یہ سن کر شیخ نجد چلایا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں' تم نہیں دیکھتے کہ اس کی باتیں کیسی میٹھی ہیں؟ اس کی زبان کس قدر چلتی ہے؟ وہ دلوں پر کیسے قبضہ کر لیتا ہے؟ کوئی نہیں جو اس کی باتوں کا بھوکوں کی طرح مشتاق نہ رہتا ہو' واللہ اگر تم نے اسے یہاں سے نکالا تو وہ اپنی شیریں زبانی اور آتش بیانی سے ہزار ہا ساتھی پیدا کر لے گا اور پھر جو ادھر کا رخ کرے گا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا' پھر تو تمہارے شریفوں کو تہ تیغ کر کے تم سب کو یہاں سے بیک بینی و دوگوش نکال باہر کرے گا۔ سب نے کہا شیخ جی سچ فرماتے ہیں اور کوئی رائے پیش کرو اس پر ابوجہل ملعون نے کہا' ایک رائے میری سن لو' میرا خیال ہے کہ تم سب کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی' بس یہی رائے ٹھیک ہے' تم اس پر بے فکر ہو کر عمل کرو' سب ... ہاں چچا جان بیان فرمائیے! اس نے کہا' ہر قبیلے سے ایک نوجوان جری بہادر شریف مانا ہوا شخص چن لو' پھر سب نوجوان ایک ساتھ اس پر حملہ کریں اور اپنی تلواروں سے اس کے ٹکڑے اڑا دیں' پھر تو اس کے قبیلے کے لوگ یعنی بنی ہاشم کو یہ تو ہمت نہ ہوگی کہ قریش کے تمام قبیلوں سے لڑیں' کیونکہ ہر قبیلے کا ایک نوجوان اس کے قتل میں شریک ہوگا' اس کا خون تمام قبائل قریش میں بٹا ہوا ہوگا' ناچار وہ دیت لینے پر آمادہ ہو جائیں گے' ہم اس بلا سے چھوٹ جائیں گے اور اس شخص کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب تو شیخ نجدی اچھل پڑا اور کہنے لگا اللہ جانتا ہے' بس یہی ایک رائے بالکل ٹھیک ہے' اس کے سوا کوئی اور بات سمجھ میں نہیں آتی' بس یہی کرو اور اس قصے کو ختم کرو' اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی' چنانچہ یہ پختہ فیصلہ کر کے یہ مجلس برخاست ہوئی اسی وقت حضرت جبرئیل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے فرمایا' آج کی رات آپ اپنے گھر میں اپنے بستر پر نہ سوئیں' کافروں نے آپ کے خلاف آج میٹنگ میں یہ تجویز طے کی ہے' چنانچہ آپ نے یہی کیا' اس رات آپ اپنے گھر اپنے بستر پر نہ لیٹے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی اور آپ کے مدینے پہنچ جانے کے بعد اس آیت میں اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا اور ان کے اس فریب کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ الخ' اس دن کا نام ہی یوم الزحمہ ہو گیا' ان کے انہی ارادوں کا ذکر آیت وان کادوا لیستفزونك میں ہے۔ آنحضرت ﷺ مکہ شریف میں اللہ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ قریشیوں نے جمع ہو کر مکر کا ارادہ کیا' جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو خبر کر دی اور کہا کہ آج آپ اس مکان میں نہ سوئیں جہاں سویا کرتے تھے' آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر اپنے بستر پر اپنی سبز چادر اوڑھا کر لیٹنے کو فرمایا اور آپ باہر آئے' قریش کے مختلف قبیلوں کا مقررہ جتھا آپ کے دروازے کو گھیرے کھڑا تھا' آپ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اور کنکر بھر کر ان کے سروں اور ان کی آنکھوں میں ڈال کر سورۂ یاسین کی فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ تک کی تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے۔ صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتی ہوئی آئیں' آپ نے دریافت فرمایا کہ پیاری بیٹی کیوں رو رہی ہو؟ عرض کیا کہ ابا جی کیسے نہ روؤں' یہ قریش خانہ کعبہ میں جمع ہیں' لات وعزیٰ کی قسمیں کھا کر یہ طے کیا ہے کہ ہر قبیلے کے لوگ آپ کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوں اور ایک ساتھ حملہ کر کے قتل کر دیں تاکہ الزام سب پر آئے اور ایک بلوہ قرار پائے' کوئی خاص شخص قاتل نہ ٹھہرے' آپ نے فرمایا' بیٹی پانی

لاؤ' پانی آیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور مسجد حرام کی طرف چلے' انہوں نے آپ کو دیکھا اور دیکھتے ہی غل مچایا کہ لو وہ آ گیا' اٹھو' اسی وقت ان کے سر جھک گئے' ٹھوڑیاں سینے سے لگ گئیں' نگاہ اونچی نہ کر سکے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا' یہ منہ الٹے ہو جائیں گے' یہ چہرے برباد ہو جائیں' جس شخص پر ان کنکریوں میں سے کوئی کنکر پڑا' وہ ہی بدر والے دن کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔ مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رات کو مشرکوں کا مشورہ ہوا' کسی نے کہا' صبح کو اسے قید کر دو' کسی نے کہا مار ڈالو' کسی نے کہا دیس نکالا دے دو' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس پر مطلع فرما دیا' اس رات حضرت علیؓ آپ کے بستر پر سوئے اور آپ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے' غار میں جا کر بیٹھ رہے' مشرکین یہ سمجھ کر کہ خود رسول اکرم ﷺ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں' ساری رات پہرہ دیتے رہے' صبح سب کود کر اندر پہنچے' دیکھا تو حضرت علیؓ ہیں' ساری تدبیر چوپٹ ہو گئیں' پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ آپ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' یہ لوگ قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آپ کے پیچھے پیچھے اس پہاڑ تک پہنچ گئے' وہاں سے پھر کوئی پتہ نہ چل سکا' پہاڑ پر چڑھ گئے' اس غار کے پاس سے گذرے لیکن دیکھا کہ وہاں مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے' کہنے لگے' اگر اس میں جاتے تو یہ جالا کیسے ثابت رہ جاتا؟ حضور ﷺ نے تین راتیں اسی غار میں گذاریں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے مکر کیا' میں بھی ان سے ایسی مضبوط چال چلا کہ آج تجھے ان سے بچا کر لے ہی آیا۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ
لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾
وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ
عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

جب ان کے سامنے ہماری کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں' ہم نے سن لیا' ہم آپ اگر چاہیں تو اس جیسا کلام کہہ سکتے ہیں' یہ بجز اگلوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے ہے ہی کیا؟ ○ جبکہ انہوں نے کہا کہ الٰہی اگر یہ تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لا ○

عذاب الٰہی نہ آنے کا سبب' اللہ کے رسول اور استغفار : ☆☆ (آیت: ۳۱-۳۲) اللہ تعالیٰ مشرکوں کے غرور و تکبر' ان کی سرکشی اور ناحق شناسی' ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی حالت بیان کرتا ہے کہ جھوٹ موٹ بک دیتے ہیں کہ ہاں بھئی ہم نے قرآن سن لیا' اس میں رکھا کیا ہے' ہم خود قادر ہیں' اگر چاہیں تو اسی جیسا کلام کہہ دیں' حالانکہ وہ کہہ نہیں سکتے' اپنی عاجزی اور تہی دستی کو خوب جانتے ہیں لیکن زبان سے شیخی بگھارتے تھے' جہاں قرآن سنا تو اس کی قدر گھٹانے کے لئے بک دیا' جب کہ ان سے زبردست دعوے کے ساتھ کہا گیا کہ لاؤ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لاؤ تو سب عاجز ہو گئے' پس یہ قول صرف جاہلوں کی خوش طبعی کے لئے کہتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ یہ کہنے والا نضر بن حارث ملعون تھا' یہ خبیث فارس کے ملک میں گیا تھا اور رستم و اسفندیار کے قصے یاد کر آیا تھا' یہاں حضورؐ کو نبوت مل چکی تھی' آپ لوگوں کو کلام اللہ شریف سنا رہے ہوتے' جب آپ فارغ ہوتے تو یہ اپنی مجلس جماتا اور فارس کے قصے سناتا' پھر فخراً کہتا کہو میرا بیان اچھا ہے یا محمد کا؟ صلی اللہ

علیہ وسلم- یہ بدر کے دن قید کر کے لایا گیا اور حضورؐ کے فرمان سے آپ کے سامنے اس کی گردن ماری گئی- فالحمد اللہ- اسے قید کرنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے-

عقبہ بن ابی معیط' طعیمہ بن عدی' نضر بن حارث' یہ تینوں اسی قید میں قتل کئے گئے- حضرت مقدادؓ نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ میرا قیدی؟ آپؐ نے فرمایا' یہ اللہ عزوجل کی کتاب کے بارے میں زبان درازی کرتا تھا' انہوں نے بعد از قتل پھر کہا کہ حضورؐ میں جسے باندھ کر لایا ہوں؟ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اپنے فضل سے مقداد کو غنی کر دے' آپ خوش ہو گئے اور عرض کیا کہ حضورؐ یہی میرا مقصد اور مقصود تھا' اسی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے- ایک روایت میں طعیمہ کی بجائے مطعم بن عدی کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے' بدر والے دن وہ تو زندہ ہی نہ تھا' بلکہ حضورؐ کا فرمان مروی ہے کہ اگر آج یہ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کو طلب کرتا تو میں اسے دے دیتا اس لئے کہ طائف سے لوٹتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو وہی اپنی پناہ میں مکہ میں لے گیا تھا- یہ کفار کہتے تھے کہ قرآن میں سوائے پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیوں کے کیا دھرا ہے' انہی کو پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سناتا رہتا ہے' حالانکہ یہ محض جھوٹ بات تھی جو انہوں نے گھڑ لی تھی' اسی لئے ان کے اس قول کو نقل کر کے جناب باری نے فرمایا ہے کہ انہیں جواب دے کہ اسے تو آسمان و زمین کی تمام غائب باتوں کے جاننے والے نے اتارا ہے جو غفور بھی ہے اور رحیم بھی ہے' توبہ کرنے والوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے' اپنے سامنے جھکنے والوں پر بڑے کرم کرتا ہے-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جب تک تو ان میں موجود ہے' اللہ انہیں عذاب نہ کرے گا اور نہ اللہ انہیں اس حال میں عذاب کرنے والا ہے کہ وہ استغفار کرنے والے ہوں ○

(آیت: ۳۳) پھر ان کی جہالت کا کرشمہ بیان ہو رہا ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ یا اللہ اگر یہ حق ہے تو ہمیں اس کی ہدایت دے اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما لیکن بجائے اس کے یہ دعا کرنے لگے کہ ہمیں جلد عذاب کر- بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر چیز کا وقت مقرر ہے ورنہ ان پر بھی عذاب آ جاتا لیکن اگر تمہارا یہی حال رہا تو پھر بھی وہ دن دور نہیں کہ جب اچانک ان کی بے خبری میں اپنے وقت پر آ ہی جائے گا- یہ تو کہا کرتے تھے کہ ہمارا فیصلہ فیصلے کے دن سے پہلے ہی ہو جائے گا' بطور مذاق عذاب کے واقع ہونے کی درخواست کرتے تھے جو کافروں پر آنے والا ہے' جسے کوئی روک نہیں سکتا' جو اس اللہ کی طرف سے ہو گا جو سیڑھیوں والا ہے- پہلی امتوں کے جاہلوں کا بھی یہی وطیرہ رہا' قوم شعیبؑ نے کہا تھا کہ اے مدعی نبوت' اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کو گرا دے' اسی طرح ان لوگوں نے کہا' ابوجہل وغیرہ نے یہ دعا کی تھی جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ رسول اللہؐ کی موجودگی میں انہی میں سے بعض کا استغفار اللہ کی عذاب کی ڈھال ہے- نضر بن حارث بن کلدہ نے بھی یہی دعا کی تھی جس کا ذکر سَاَلَ سَآئِلٌ میں ہے- ان کے اسی قول کا ذکر آیت وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا الخ' میں ہے اور آیت وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی الخ میں ہے اور آیت سَاَلَ سَآئِلٌ الخ' میں ہے-

غرض دس سے اوپر اوپر آیات اس بیان میں ہیں- عمرو بن عاص جنگ احد میں اپنے گھوڑے پر سوار تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر محمد (ﷺ) کا لایا ہوا دین حق ہے تو مجھے میرے گھوڑے سمیت زمین میں دھنسا دے' گو اس امت کے بے وقوفوں نے یہ تمنا کی لیکن اللہ نے اس امت پر رحم فرمایا اور جواب دیا کہ ایک تو پیغمبر کی موجودگی عام عذاب سے مانع ہے' دوسرے تم لوگوں کا استغفار-

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بیان ہے کہ مشرک حج میں طواف کے وقت کہتے تھے لبیك اللهم لبیك لبیك لا شریك لك اسی وقت رسول اللہ ﷺ فرماتے بس بس لیکن وہ پھر کہتے الاشریك هو لك تملكه وما ملك یعنی ہم حاضر ہیں' اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں' پھر کہتے' ہاں وہ شریک جو خود بھی تیری ملکیت میں ہیں اور جن چیزوں کے وہ مالک ہیں' ان کا بھی اصل مالک تو ہی ہے اور کہتے غفرانك غفرانك اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں' اے اللہ تو ہمیں معاف فرما' اسی طلب بخشش کو عذاب کے جلد نہ آنے کا سبب بتایا گیا ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں ان میں دو سبب تھے' ایک تو نبی ﷺ' دوسرے استغفار' پس آپؐ تو چل دیئے اور استغفار باقی رہ گیا' قریشی آپس میں کہا کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) کو اللہ نے ہم میں سے ہم پر بزرگ بنایا' اے اللہ اگر یہ سچا ہے تو تو ہمیں عذاب کر' جب ایمان لائے تو اپنے اس قول پر بڑے ہی نادم ہوئے اور استغفار کیا' اسی کا بیان دوسری آیت میں ہے۔ پس انبیاء کی موجودگی میں قوموں پر عذاب نہیں آتا ہاں وہ نکل جائیں پھر عذاب برس پڑتے ہیں اور چونکہ ان کی قسمت میں ایمان تھا اور بعد از ایمان وہ استغفار کرنے والے یعنی نمازی بننے والے تھے' اس لئے بھی ان سے عذاب ٹلتا رہا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ خود مکہ میں ان ہی میں سے مومن تھے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے' پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اور مسلمانوں کا استغفار اہل مکہ کے لئے باعث امن وامان تھا۔ امن کی ان دو وجوہات میں سے ایک تو اب نہ رہا' دوسرا اب بھی موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے' مجھ پر دو امن میری امت کے لئے اترے ہیں' ایک میری موجودگی' دوسرے ان کا استغفار' پس جب میں چلا جاؤں گا تو استغفار قیامت تک کے لئے ان میں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان نے کہا' اے اللہ مجھے تیری عزت کی قسم' میں تو جب تک تیرے بندوں کے جسم میں روح ہے انہیں بہکاتا رہوں گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا' مجھے بھی میری جلالت اور میری بزرگی کی قسم' جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے' میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا (مستدرک حاکم) مسند احمد میں ہی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' بندہ اللہ کے عذابوں سے امن میں رہتا ہے جب تک وہ اللہ عزوجل سے استغفار کرتا رہے۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۵

کوئی وجہ نہیں کہ اللہ انہیں عذاب نہ کرے' یہ تو لوگوں کو مسجد حرام سے روکتے ہیں اور یہ اس مسجد کے متولی ہونے کے لائق بھی نہیں ہیں' اس کے سزاوار تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں لیکن اکثر کافر بے علم ہیں ○ ان کی تو نماز بھی خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے اور کچھ نہیں' تو جیسا کفر کرتے رہے' اس کے بدلے عذاب چکھو ○

عذاب الٰہی نہ آنے کا مزید بیان: ☆☆ (آیت:۳۴-۳۵) ارشاد ہے کہ فی الواقع کفار عذابوں کے لائق ہیں لیکن آنحضرت ﷺ

کی موجودگی کی وجہ سے ان سے عذاب رکے ہوئے ہیں چنانچہ آپؐ کی ہجرت کے بعد ان پر عذاب الٰہی آیا بدر کے دن ان کے تمام سردار مار ڈالے گئے یا قید کر دیئے گئے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں استغفار کی ہدایت کی کہ اپنے شرک و فساد سے ہٹ جائیں اور اللہ سے معافی طلب کریں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ معافی نہیں مانگتے تھے ورنہ عذاب نہ ہوتا' ہاں ان میں جو کمزور مسلمان رہ گئے تھے اور ہجرت پر قادر نہ تھے' وہ استغفار میں لگے رہتے تھے اور ان کی ان میں موجودگی اللہ کے عذابوں کے رکنے کا ذریعہ تھی۔ چنانچہ حدیبیہ کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد الٰہی ہے هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ یعنی یہ مکہ والے ہی تو وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے جانوروں کو بھی نہ آنے دیا کہ وہ جہاں تھے' وہیں رکے کھڑے رہے اور اپنے حلال ہونے کی جگہ نہ پہنچ سکے اور اگر شہر مکہ میں کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں ایسی نہ ہوتیں کہ تم ان کے حال سے واقف نہیں تھے اور عین ممکن تھا کہ لڑائی کی صورت میں تم انہیں بھی پامال کر ڈالتے اور نادانستہ ان کی طرف سے تمہیں نقصان پہنچ جاتا تو بے شک تمہیں اسی وقت لڑائی کی اجازت مل جاتی' اس وقت کی صلح اس لئے ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں لے لے' اگر مکہ میں رکے ہوئے مسلمان وہاں سے کہیں ہجرت کر جاتے تو یقیناً ان کافروں کو دردناک مار ماری جاتی۔

پس آنحضرت ﷺ کی موجودگی اہل مکہ کے لئے باعث امن رہی' پھر حضورؐ کی ہجرت کے بعد جو ضعیف مسلمان وہاں رہ گئے تھے اور استغفار کرتے رہتے تھے' ان کی موجودگی کی وجہ سے عذاب نہ آیا' جب وہ بھی مکہ سے نکل گئے تب یہ آیت اتری کہ اب کوئی مانع باقی نہ رہا' پس مسلمانوں کو مکہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مل گئی اور یہ مفتوح ہوئے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر مراد ان کا خود کا استغفار ہو تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ چنانچہ حسن بصریؒ وغیرہ کا یہ قول بھی ہے کہ اہل مکہ سے جنگ بھی ہوئی' انہیں ضرر بھی پہنچے' ان پر قحط سالیاں بھی آئیں' پس ان مشرکوں کا اس آیت میں استثنا کر لیا گیا ہے' انہیں اللہ کے عذاب کیوں نہ ہوں؟ یہ مومن لوگوں کو کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں' جو مومن بوجہ اپنی کمزوری کے اب تک مکہ میں ہی ہیں اور ان کے سوا اور مومنوں کو بھی طواف و نماز سے روکتے ہیں' حالانکہ اصل اہلیت ان ہی میں ہے' ان مشرکوں میں اس کی اہلیت نہیں جیسے فرمان ہے مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ الخ مشرکین اللہ کے گھروں کی آبادی کے اہل نہیں' وہ تو کفر میں مبتلا ہیں' ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں۔ مسجدوں کی آبادی کے اہل اللہ پر' قیامت پر ایمان رکھنے والے' نمازی' زکوٰۃ ادا کرنے والے' صرف خوف الٰہی رکھنے والے ہی ہیں اور وہی راہ یافتہ لوگ ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا' اللہ کے ساتھ کفر کرنا' مسجد حرام کی بے حرمتی کرنا' اس کے لائق لوگوں کو اس سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا جرم ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے دوست کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا ہر ایک پرہیز گار اللہ سے ڈرنے والا پھر آپ نے پڑھا ان اولیاء ہ الا المتقون۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضورؐ نے قریشیوں کو جمع کیا' پھر پوچھا کہ تم میں اس وقت کوئی اور تو نہیں؟ انہوں نے کہا بہنوں کی اولاد اور حلیف اور مولیٰ ہیں' فرمایا کہ یہ تینوں تو تم میں سے ہی ہیں' سنو تم میں سے میرے دوست وہی ہیں جو تقویٰ اور پرہیز گاری والے ہوں۔

پس اللہ کے اولیاء محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہیں اور تمام مجاہد خواہ وہ کوئی ہو اور وہ کہیں کے ہوں پھر ان کی ایک اور شرارت اور بے ڈھنگا پن بیان فرماتا ہے۔ کعبہ میں آ کر کیا کرتے ہیں؟ یا تو جانوروں کی سی سیٹیاں بجاتے تھے' منہ میں انگلیاں رکھیں اور سیٹیاں شروع کر دیں یا تالیاں پیٹنے لگے' طواف کرتے ہیں تو ننگے ہو کر' رخسار جھکا کر' سیٹی بجائی' تالی بجائی' چلئے نماز ہو گئی' کبھی رخسار زمین پر لٹکا لیا' بائیں طرف سے طواف کیا۔ یہ بھی مقصود تھا کہ حضورؐ کی نماز بگاڑیں' مومنوں کا مذاق اڑائیں' لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکیں حکم

ہوتا ہے کہ لواب اپنے کفر کا بھرپور پھل چکھو۔ بدر کے دن قید ہوکے قتل ہوئے' تلوار چلی' چیخ اور زلزلے آئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْهِمْ
حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ڛ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَهَنَّمَ
یُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ
وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْکُمَهٗ جَمِیْعًا
ع ۱۸ فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو لوگ راہ اللہ سے روکتے ہیں' اپنے مال خرچ کرتے ہیں وہ خرچ کرلیں' آخر میں یہ خرچ ان کے لئے باعث ندامت ہوگا' پھر وہ ہار بھی جائیں گے کافروں کا حشر جہنم کی طرف ہی ہوگا ○ اس لئے کہ اللہ بروں کو بھلوں سے الگ الگ کردے اور بروں کو بعض کو بعض پر تہہ بہ تہہ کرکے سب کو ایک ساتھ جہنم میں کردے' یہی ہیں نقصان اٹھانے والے ○

شکست خوردہ کفار کی سازشیں: ☆☆ (آیت:۳۶-۳۷) قریشیوں کو بدر میں شکست فاش ہوئی' اپنے مردے اور اپنے قیدی مسلمانوں کے ہاتھوں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے' ابوسفیان اپنا قافلہ اور مال و متاع لے کر پہنچا تو عبداللہ بن ابی ربیعہ' عکرمہ بن ابی جہل' صفوان بن امیہ اور وہ لوگ جن کے عزیز و اقارب اس لڑائی میں کام آئے تھے' ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری کیا درگت ہوئی؟ اب اگر آپ رضامند ہوں تو یہ سارا مال روک لیا جائے اور اسی خزانے سے دوسری جنگ کی تیاری وسیع پیمانے پر کی جائے اور انہیں مزہ چکھا دیا جائے چنانچہ یہ بات مان لی گئی اور پختہ ہوگئی' اسی پر یہ آیت اتری کہ خرچ کرو ورنہ یہ بھی غارت ہو جائے گا اور دوبارہ منہ کی کھاؤ گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت بھی بدر کے بارے میں اتری ہے۔ الفاظ آیت کے عام ہیں گو سبب نزول خاص ہو' حق کو روکنے کے لیے جو بھی مال خرچ کرے' وہ آخر ندامت کے ساتھ رہ جائے گا' دین کا چراغ انسانی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا' اس خواہش کا انجام نامرادی ہی ہے' خود اللہ اپنے دین کا ناصر اور حافظ ہے' اس کا کلمہ بلند ہوگا' اس کا بول بالا ہوگا' اس کا دین غالب ہوگا' کفار منہ دیکھتے رہ جائیں گے' دنیا میں الگ رسوائی اور ذلت ہوگی' آخرت میں الگ بربادی اور خواری ہوگی' جیتے جی یا تو اپنے سامنے اپنی پستی' ذلت' نکبت و ادبار اور خواری دیکھ لیں گے یا مرنے پر عذاب نار دیکھ لیں گے' پستی و غلامی کی مار اور شکست ان کے ماتھے لکھ دی گئی ہے' پھر ان کا آخری ٹھکانا جہنم ہے' تا کہ اللہ شقی اور سعید کو الگ الگ کر دے' برے اور بھلے کو ممتاز کر دے۔ یہ تفریق اور امتیاز آخرت میں ہوگی اور دنیا میں بھی فرمان ہے ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا الخ قیامت کے دن ہم کافروں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے معبود یہیں اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ اور آیت میں ہے' قیامت کے دن یہ سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ اس دن یہ ممتاز ہو جائیں گے۔ اور آیت میں ہے وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اے گنہگارو تم آج نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ۔ اسی طرح دنیا میں بھی ایک دوسرے سے بالکل ممتاز تھے۔ مومنوں کے اعمال ان کے اپنے ہیں اور ان سے بالکل جدا گانہ۔ لام لام تو لیل ہو سکتا ہے یعنی کافر اپنے

مالوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ مومن و کافر میں علیحدگی ہو جائے کہ کون اللہ کا فرمانبردار ہے اور کون نافرمانی میں ممتاز ہے؟ چنانچہ فرمان ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ الخ یعنی دونوں لشکروں کی مڈبھیڑ کے وقت جو کچھ تم سے ہوا' وہ اللہ کے حکم سے تھا تاکہ مومنوں اور منافقوں میں تمیز ہو جائے' ان سے جب کہا گیا کہ آؤ راہ حق میں جہاد کرو یا دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم فنون جنگ سے واقف ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ اور آیت میں ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ الخ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری موجودہ حالتوں پر ہی چھوڑنے والا نہیں' وہ پاک اور پلید کو علیحدہ علیحدہ کرنے والا ہے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تمہیں اپنے غیب پر خبردار کردے۔ فرمان ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ الخ کیا تم یہ گمان کیے بیٹھے ہو کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ اب تک تو اللہ نے تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو کھلم کھلا نہیں کیا' سورہ برات میں بھی اسی جیسی آیت موجود ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تمہیں کافروں کے ہاتھوں میں اس لیے مبتلا کیا ہے اور اس لیے انہیں اپنے مال باطل میں خرچ کرنے پر لگایا ہے کہ نیک و بد کی تمیز ہو جائے' خبیث کو خبیث سے ملا کر جمع کر کے جہنم میں ڈال دے اور دنیا و آخرت میں یہ لوگ برباد ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

ان کافروں سے کہہ دے کہ اگر اب بھی یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ گذر چکا' انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر یہ پھر لوٹیں گے تو یقیناً اگلے کافروں کی روش گذر چکی ہے ○ اور ان سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے' اگر یہ لوگ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جو یہ کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ منہ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا والی اور دوست ہے' وہ بہت ہی اچھا دوست اور بہت بہتر مددگار ہے ○

فتنے کے اختتام تک جہاد جاری رکھو ☆☆ (آیت: ۳۸-۴۰) کافروں سے کہہ دے کہ اگر وہ اپنے کفر سے اور ضد سے باز آ جائیں' اسلام اور اطاعت قبول کرلیں' رب کی طرف جھک جائیں تو ان سے جو ہو چکا ہے' سب معاف کر دیا جائے گا' کفر بھی' خطا بھی' گناہ بھی۔ حدیث میں ہے' جو شخص اسلام لا کر نیکیاں کرے' وہ اپنے جاہلیت کے اعمال پر پکڑا نہ جائے گا اور اسلام میں بھی پھر برائیاں کرے تو اگلی پچھلی تمام خطاؤں پر اس کی پکڑ ہو گی۔ اور حدیث میں ہے اسلام سے پہلے کے سب گناہ معاف ہیں' توبہ بھی اپنے سے پہلے کے گناہ کو مٹا دیتی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ نہ مانیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو وہ اگلوں کی حالت دیکھ لیں کہ ہم نے انہیں ان کے کفر کی وجہ سے کیسا غارت کیا؟ ابھی بدری کفار کا حشر بھی ان کے سامنے ہے' جب تک فتنہ باقی ہے' تم جنگ جاری رکھو۔ دو مسلمان گروہوں کا آپس میں لڑنا اور فتنہ کیا ہے؟ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آیت وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا الخ' کو پیش نظر رکھ کر

آپ اس وقت کی باہمی جنگ میں شرکت کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا' تم لوگوں کا یہ طعنہ اس سے بہت ہلکا ہے کہ میں کسی مومن کو قتل کر کے جہنمی بن جاؤں۔

جیسے فرمان الٰہی ہے وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا الخ اس نے کہا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فتنہ باقی ہو تب تک لڑائی جاری رکھو' آپ نے فرمایا یہی ہم نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کیا' اس وقت مسلمان کم تھے' انہیں کافر گرفتار کر لیتے تھے اور دین میں فتنے ڈالتے تھے یا تو قتل کر ڈالتے تھے یا قید کر لیتے تھے' جب مسلمان بڑھ گئے' وہ فتنہ جاتا رہا' اس نے جب دیکھا کہ آپؓ مانتے نہیں تو کہا' اچھا حضرت علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت عثمانؓ کو اللہ نے معاف فرمایا لیکن تمہیں اللہ کی وہ معافی بری معلوم ہوتی ہے' حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کے داماد تھے' یہ ہیں آپ کی صاحبزادی' یہ کہتے ہوئے ان کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ ابن عمرؓ ایک مرتبہ لوگوں کے پاس آئے تو کسی نے کہا کہ اس فتنے کے وقت کی لڑائی کی نسبت جناب کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو فتنے سے کیا مراد ہے؟ آنحضرت ﷺ کافروں سے جنگ کرتے تھے' اس وقت ان کا زور تھا' ان میں جانا فتنہ تھا' تمہاری تو یہ ملکی لڑائیاں ہیں' اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ کے زمانے میں دو شخص حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں' وہ آپ کے سامنے ہے' آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور رسول ﷺ کے صحابی ہیں' آپ کیوں میدان جنگ میں نہیں اترے؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ نے ہر مومن کا خون حرام کر دیا ہے' انہوں نے کہا' فتنے کے باقی رہنے تک لڑنا اللہ کا حکم نہیں؟ آپ نے فرمایا ہے اور ہم نے اسے نبھایا بھی یہاں تک کہ فتنہ دور ہو گیا اور دین سب اللہ ہی کا ہو گیا' اب تم اپنی اس باہمی جنگ سے فتنہ کھڑا کرنا اور غیر اللہ کے دین کے لئے ہو جانا چاہتے ہو۔ ذوالسبطین حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے' میں ہرگز اس شخص سے جنگ نہ کروں گا' جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو' حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اس کی تائید کی اور فرمایا' میں بھی یہی کہتا ہوں تو ان پر بھی یہی آیت پیش کی گئی اور یہی جواب آپ نے بھی دیا۔ بقول ابن عباسؓ وغیرہ فتنہ سے مراد شرک ہے اور یہ بھی کہ مسلمانوں کی کمزوری ایسی نہ رہے کہ کوئی انہیں ان کے سچے دین سے مرتد کرنے کی طاقت رکھے' دین سب اللہ کا ہو جائے یعنی توحید نکھر جائے' لا الہ الا اللہ کا کلمہ زبانوں پر چڑھ جائے' شرک اور معبودان باطل کی پرستش اٹھ جائے' تمہارے دین کے ساتھ کفر باقی نہ رہے۔

بخاری و مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حکم فرمایا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ لیں' جب وہ اسے کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنی جانیں اور اپنے مال بچا لیں گے' ہاں حق اسلام کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے بخاری و مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول مقبول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری کے لئے' ایک شخص غیرت کے لئے' ایک شخص ریاکاری کے لئے لڑائی کر رہا ہے تو ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے؟ آپؐ نے فرمایا' جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کی غرض سے جہاد کرے' وہ اللہ کی راہ میں ہے' پھر فرمایا کہ اگر تمہارے جہاد کی وجہ سے یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو تم ان سے لڑائی موقوف کر دو' ان کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو' اللہ ان کے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔

جیسے فرمان ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ الخ یعنی اگر یہ توبہ کر لیں اور نمازی اور زکوۃ دینے والے بن جائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو' ان کے راستے نہ روکو۔ اور آیت میں ہے کہ اس صورت میں وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اور آیت میں ہے کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہو جائے' پھر اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی کا بدلہ تو صرف ظالموں کے لئے ہی

ہے- ایک صحیح روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ ایک شخص پر تلوار لے کر چڑھ گئے' جب وہ زد میں آ گیا اور دیکھا کہ تلوار چلا چاہتی ہے تو اس نے جلدی سے لا الہ الا اللہ کہہ دیا' لیکن اس کے سر پر تلوار پڑ گئی اور وہ قتل ہو گیا' جب حضور ﷺ سے اس واقعہ کا بیان ہوا تو آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا' کیا تو نے اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کیا؟ تو لا الہ الا اللہ کے ساتھ قیامت کے دن کیا کرے گا؟ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو اس نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے کہا تھا' آپ نے فرمایا' کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ بتا کون ہوگا جو قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کا مقابلہ کرے' بار بار آپ یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میرے دل میں خیال آنے لگا کہ کاش کہ میں آج کے دن سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا؟

پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ اب بھی باز نہ رہیں' تمہاری مخالفت اور تم سے لڑائی نہ چھوڑیں تو تم یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مولا' تمہارا مالک' تمہارا مددگار اور ناصر ہے' وہ تمہیں ان پر غالب کرے گا' وہ بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے- ابن جریر میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے حضرت عروہؓ سے کچھ باتیں دریافت کی تھیں جس کے جواب میں آپ نے انہیں لکھا' سلام علیک کے بعد میں آپ کے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' بعد حمد و صلوۃ کے آپ کا خط ملا آپ نے ہجرت رسول اللہ ﷺ کی بابت مجھ سے سوال کیا ہے' میں آپ کو اس واقعہ کی خبر لکھتا ہوں' اللہ ہی کی مدد پر خیر کرنا اور شر سے روکنا موقوف ہے' مکہ سے آپ کے تشریف لے جانے کا واقعہ یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت دی' سبحان اللہ کیسے اچھے نبی' کیسے اچھے پیشوا بہترین رہنما تھے' اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے' ہمیں جنت میں آپؐ کی زیارت نصیب فرمائے' ہمیں آپؐ ہی کے دین پر زندہ رکھے' اسی پر موت دے اور اسی پر قیامت کے دن کھڑا کرے' آمین- جب آپؐ نے اپنی قوم کو ہدایت اور نور کی طرف دعوت دی جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا تو شروع شروع تو انہیں کچھ زیادہ برا معلوم نہیں ہوا بلکہ قریب تھا کہ آپ کی باتیں سننے لگیں' مگر جب ان کے معبودان باطل کا ذکر آیا' اس وقت وہ بگڑ بیٹھے' آپ کی باتوں کا برا ماننے لگے آپؐ پر سختی کرنے لگے اسی زمانے میں طائف کے چند قریش مال لے کر پہنچے' وہ بھی ان کے شریک حال ہو گئے' اب آپؐ کی باتوں کے ماننے والے مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے لگے جس کی وجہ سے عام لوگ آپ کے پاس آنے جانے سے ہٹ گئے سوائے ان چند ہستیوں کے جو اللہ کی حفاظت میں تھیں' یہی حالت ایک عرصے تک رہی جب تک کہ مسلمانوں کی تعداد کی کمی زیادتی کی حد تک نہیں پہنچی تھی پھر سرداران کفر نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب تک کہ جتنے لوگ ایمان لا چکے ہیں' ان پر اور زیادہ سختی کی جائے' جو [illegible] کا رشتہ د[illegible] در قریبی ہو وہ اسے ہر طرح تنگ کرے تا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیں' اب فتنہ بڑھ گیا اور بعض لوگ ان کی سزاؤں کی تاب نہ لا کر ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے' کھرے اور ثابت قدم لوگ دین حق پر اس مصیبت کے زمانے میں بھی جمے رہے اور اللہ نے انہیں مضبوط کر دیا اور محفوظ رکھ لیا' آخر جب تکلیفیں حد سے بڑھنے لگیں تو رسول مقبول ﷺ نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت د[illegible]' حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک نیک آدمی تھا' اس کی سلطنت ظلم و زیادتی سے خالی تھی ہر طرف اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں' یہ جگہ قریش کی تجارتی منڈی تھی جہاں ان کے تاجر رہا کرتے تھے اور بے خوف و خطر بڑی بڑی تجارتیں کیا کرتے تھے-

پس جو لوگ یہاں مکہ میں کافروں کے ہاتھوں بہت تنگ آ گئے تھے اور اب مصیبت جھیلنے کے قابل نہیں رہے تھے اور ہر وقت انہیں اپنے دین کے اپنے ہاتھ سے چھوٹ جانے کا خطرہ لگا رہتا تھا' وہ سب حبشہ چلے گئے' لیکن خود حضور ﷺ یہیں ٹھہرے رہے' اس پر بھی جب کئی سال گذر گئے تو یہاں اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی' اسلام پھیل گیا اور شریف اور سردار لوگ بھی اسلامی جھنڈے تلے آ گئے'

یہ دیکھ کر کفار کو اپنی دشمنی کا جوش ٹھنڈا کرنا پڑا' وہ ظلم وزیادتی سے بالکل تو نہیں لیکن کچھ نہ کچھ رک گئے۔

پس وہ فتنہ جس کے زلزلوں نے صحابہؓ کو وطن چھوڑنے اور حبشہ جانے پر مجبور کیا تھا' اس کے کچھ دب جانے کی خبروں نے مہاجرین حبشہ کو پھر آمادہ کیا کہ وہ مکے شریف واپس چلے آئیں' چنانچہ وہ بھی تھوڑے بہت آ گئے۔ اسی اثناء میں مدینہ شریف کے چند انصار مسلمان ہو گئے' ان کی وجہ سے مدینہ شریف میں بھی اشاعت اسلام ہونے لگی' ان کا مکہ شریف آنا جانا شروع ہوا' اس سے مکہ والے کچھ بگڑے اور پھر کرارادہ کرلیا کہ دوبارہ سخت سختی کریں چنانچہ دوسری مرتبہ پھر فتنہ شروع ہوا' ہجرت پر پہلے فتنے نے آمادہ کیا واپسی پر پھر فتنہ پھیلا' اب ستر بزرگ سرداران مدینہ یہاں آئے اور مسلمان ہو کر آنحضرت رسول مقبول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی' یہ موسم حج کے موقعہ پر آئے تھے' عقبہ میں انہوں نے بیعت کی' عہد وپیمان' قول وقرار ہوئے کہ ہم آپ کے اور آپ ہمارے' اگر کوئی بھی آپ کا آدمی ہمارے ہاں آ جائے تو ہم اس کے امن وامان کے ذمے دار ہیں' خود آپ اگر تشریف لائیں تو ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں اس چیز نے قریش کو اور بھڑ کا دیا اور انھوں نے کمزور اور ضعیف مسلمانوں کو مزید ستانا شروع کر دیا' ان کی سزائیں بڑھا دیں اور خون کے پیاسے ہو گئے' اس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ مدینہ شرف کی طرف ہجرت کر جائیں' یہ تھا آخری اور انتہائی فتنہ جس نے نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی نکالا بلکہ خود اللہ کے محترم رسول ﷺ بھی مکہ کو خالی کر گئے' یہی ہے' وہ جسے اللہ فرماتا ہے' ان سے جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ مٹ جائے اور سارا دین اللہ کا ہی ہو جائے۔

الحمدللہ نویں پارے کی تفسیر بھی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے